پیرس حملوں کی بابت۔۔۔ #

<<<<شریعت میں کفار کے جان ومال اور عزت کا”حکم اصلی“>>>>

اسی بناء پر قرآن کریم ،احادیث مبارکہ اور اس کی روشنی میں سلف و صالحین کے اقوال و فتاوی کے مطابق شریعت میں کفار کے بارے میں حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”ہر کافرکے بارے میں شریعت کا “حکم اصلی“یہ ہے کہ وہ حربی (جنگجو)ہے اور اس کی جان و مال اور عزت ایک مسلمان کے لئے حلال ہے جب تک کہ اس کا شرعی بنیادوں پر غیرِحربی ہونا ثابت نہ ہوجائے۔

چاہیے یہ غیر حربی ہونا دار الاسلام سے کسی معاہدے کی وجہ سے ہو،یا مسلمانوں کی طرف سے امان دیئے جانے کی وجہ سے ہو،یا پھردار الاسلام کے تحت ان کا ذمی بن جانے کی صورت میں ہو،یا پھر اُن صورتوں میں سے کوئی دیا ہوا ہوجیسے کہ کفار کی عورتیں ،بچے ،بوڑھے(exception)ایک ہوجن کی وجہ سے شریعت نے ان کو استثنیٰ بھی ختم ہوجاتے ہیں جیسا کہ ان کفار(exceptions)وغیرہ۔لیکن بعض صورتوں اور وجوہات کی بنیاد پر یہ استثنائات کی عورتوں ،بچوں ،بوڑھوں وغیرہ میں سے کسی کا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی بھی طرح شریک ہونا ،یا پھر معاہدے کی خلاف ور زی کرنا ،یا پھر شریعت کااستہزا ء،یاپھر ان کادیگر کفار میں گڈمڈ ہوجانا ،یا کفار کا ان کو ڈھال بنالینا یاپھر معاملہ بالمثل کی وجہ سے،تواس صورت میں ان کی بھی جان اور مال کی حرمت اٹھ جاتی ہے“۔

چنانچہ شریعت کی طرف سے ہر کافر کے بارے میں دیئے جانے والے اس حکم کو تفصیلاً سمجھنے کی کوشش کریں گے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں پائے جانے والے باطل نظریات و شبہات کا رد کیا جاسکے اور ایک کافر کے بارے میں شریعت کا حکم واضح ہوسکے کہ اس دنیا میں اس کا اصل مقام (Status)کیا ہے؟

....

<<<<مسلمان اور کافر کے مال وجان کی حرمت کے درمیان فرق>>>>

بلاشبہ شریعت نے مسلمانوں کے خون، ان کی عزتوں کی پامالی اور ان کے اموال کو مباح کرنا یا انہیں کسی بھی قسم کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نقصان پہنچانا حرام قراردیا ہے ۔ ماسوائے کسی شرعی سبب کے ۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ اِلَّا بِاِحْدَى ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالْمَارِقُ مِنْ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ))

”کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ماسوائے تین حالتوں میں سے کسی ایک کے ، جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی اور دین(اسلام)کو چھوڑ کر جماعت میں تفرقہ ڈالنے والا(یعنی مرتد)“۔

(صحیح البخاری،ج۲۱،ص۱۷۱،رقم الحدیث:۶۳۷۰)

لہٰذا یہ حالتیں ہیں کہ جن میں کسی مسلمان کا خون بہانا جائز ہوتا ہے مگر فقہاء کے نزدیک حدیث میں یہ حکم صرف انہی تین حالتوں پر منحصرنہیں بلکہ یہاں اللہ کے رسولﷺنے صرف مثال کے طور پر تین حالتوں کا بیان کیا ہے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جان ،مال اور عزتوں کے بارے میں اصل حکم”حرمت“کا ہے یعنی وہ ہر صورت حرام ہیں مگر یہ کہ کسی شرعی جوازمثلاً قصاص یا ارتداد یا حد کے بغیر حلال نہیں ہوسکتیں۔

لیکن کفار کی جان مال اور عزتوں کے بارے میں اصل حکم”حلت“کا ہے یعنی وہ حلال ہیں مگریہ کہ کسی عہد یا ذمہ یا اَمان کے بغیر حرام نہیں ہوتیں۔اس کے ساتھ ان کی عورتیں ، بچے ، بوڑھے، مزدور اور جولڑ نہیں سکتے اس شرعی حکم سے خارج ہیں کیونکہ ان کے مستثنی ہونے کے دلائل موجود ہیں ۔لیکن کفار کے بوڑھوں بچوں اور عورتوں کے قتل کی حرمت مطلق(عام)نہیں ہے بلکہ چند مخصوص حالات میں انہیں بھی قتل کرنا جائز ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

پیرس حملوں کی بابت:::

<<<<<مال و جان کے حرمت کی اصل وجہ>>>>>

رسول اللہ ﷺنے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا اِلَہَ الَّا اللَّہُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلَہَ اِلَّا اللَّہُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّی نَفْسَہُ وَمَالَہُ اِلَّا بِحَقِّہِ وَحِسَابُہُ عَلَی اللَّہِ))

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لاالہ الا اللہ کہہ دیں۔پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے بچالیا ،مگر یہ کسی حق کے بدلے میں،اور اس کا باقی حساب اللہ پر رہے گا‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۰،ص:۹۷،رقم الحدیث:۲۷۲۷)

((لکُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہُ وَمَالُہُ وَعِرْضُہُ))

’’ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان کا خون اور مال اوراس کی عزت حرام ہے‘‘۔

(صحیح مسلم ،ج۱۲،ص:۴۲۶،رقم الحدیث:۴۶۵۰)

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا اِلَہَ اِلَّا اللَّہُ فَاِذَا قَالُوهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّہِ))

’’مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں پھر جب وہ یہ کہہ دیں اور ہماری جیسی نماز پڑھنے لگیں، اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرنے لگیں اور ہمار ذبیحہ کھا لیں تو یقیناً ان کے خون اور مال حرام ہو گئے، مگر اس حق کی بناء پر جو اسلام نے ان پر مقرر کردیا ہے، باقی ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۲،ص:۱۵۱،رقم الحدیث:۳۷۹)

((قَالَ سَأَلَ مَيْمُونُ بْنُ سِيَاهٍ أَنَسَ بْنَ مَالِکٍ قَالَ يَا أَبَا حَمْزَةَ مَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَہُ فَقَالَ مَنْ شَہِدَ أَنْ لَا اِلَہَ اِلَّا اللَّہُ وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلَّى صَلَاتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَہُوَ الْمُسْلِمُ لَہُ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْہِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ))

’’میمون بن سیاہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوحمزہ!وہ کون سی چیز ہے، جس سے آدمی کا جان ومال دونوں دست درازی سے محفوظ ہو جاتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا جوشخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھا لے تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں، جو مسلمان کے ہوتے ہیں اور اس کے ذمہ وہی باتیں واجب ہیں، جو مسلمان کے ذمہ ہوتی ہیں ‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۲،ص:۱۵۱،رقم الحدیث:۳۷۹)

درجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جب ایک شخص اسلام میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کے جان و مال اورعزت کو اس وقت تحفظ حاصل ہوجاتا ہے ۔تو فقہی قاعدے ’’مفھوم المخالفۃ‘‘کے تحت اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس سے پہلے یعنی اسلام لانے سے پہلے اسکا خون اور ان کا مال کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھابلکہ حلال تھا۔کیونکہ اگر اس شخص کے خون اور ان کے مال کواسلام لانے سے پہلے تحفظ حاصل ہوتا تو مندرجہ بالا احادیث تومسلمان کے جان اور مال کے تحفظ کے حوالے سے بے فائدہ اور بے معنی ہوکر رہ جاتی ہیں ۔

<<<<<کفر کا وصف ہی ایک انسان کو’’حربی‘‘بنادیتاہے>>>>>

درجِ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ یہ’’ایما ن‘‘ہی ہے جو اہلِ ایمان کے جا ن ومال کو تحفظ دیتا ہے اور یہی چیز ہے جو تفریق کرتی ہے ان اہلِ ایمان کو اور ان کی حرمت کو کافروں سے اور’’کفر‘‘کا وصف ہونا ہی وہ چیز ہے جو ایک انسان کو’’کافر ‘‘بنادیتاہے اور حلال کردیتا ہے اس کی جان ومال کو اور ان کی حرمت کو اٹھادیتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:
”بأن اللّٰہ تبارک وتعالی حرم دم المؤمن ومالہ الا بواحدۃ ألزمہ ایاھا وأباح دم الکافر ومالہ الا بأن یؤدی الجزیۃ أو یستأمن الی مدۃ“

”اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کا خون اور مال حرام کیا ہے سوائے ایک الزام کہ جووہ اپنے اوپر لے(یعنی مرتد ہوجائے)اور کافر کا خون اور مال مباح رکھا ہے سوائے اس کے کہ وہ جزیہ اداکرے یا اس کو ایک مدت کے لئے امان مل جائے“۔

(الآم،ج۱،ص۳۰۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ ہی کفار پر شب خون مارنے کے دوران بچوں اور عورتوں کے نشانہ بن جانے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

((ومعنی قولہ ”منھم“انھم یجمعون خصلتین ان لیس لھم حکم الایمان الذی یمنع بہ الدم ولا حکم دار الایمان الذی یمنع بہ الغارۃ علی الدار“

”اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ(ھم منھم))”یہ انہی میں سے ہیں“کا مطلب یہ ہے کہ ان میں دو خصوصیا ت ہیں،ایک یہ کہ ان پر”ایمان “کا حکم نہیں ہے (یعنی مسلمان نہیں ہیں)جس سے ان کا خون حرام ہوجائے،نہ تو ان پر دارالاسلام میں رہنے کا حکم لگتا ہے جس سے ان کے گھروں پر حملہ کرنے کی ممانعت ہو“۔

(الرسالۃ:۲۹۹)

فقہاء کرام نے متفقہ طور پر یہ شرعی اصول بیان فرمایا ہے کہ:
”لِأَنَّ دَمَ الْکَافِرِ لَا یَتَقَوَّمُ الَّا بِالْأَمَانِ“
”کافر کے خون کی کوئی حیثیت نہیں مگر یہ کہ جب اس کو امان مل جائے“۔

(رد المختار،ج۱۵،ص۴۴۵۔بدائع الصنائع،ج۱۵،ص۲۸۴۔ الدر المختار،ج۴،ص۸۰۳)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ رماتے ہیں:
”وان کان کافرا حربیا فان محاربتہ أباحت قتلہ وأخذ مالہ واسترقاق امرأتہ“
”اور اگر کافر جنگجو ہو تو بلاشبہ اس کے جنگجو ہونے نے ہی اس کے قتل ، اس کے مال لینے اور اس کی عورت کو لونڈی بنانا مباح کردیا“۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ،ج۳۲۔ص۳۴۳)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:
”لان الاصل اباحۃ دم الکافر وعدم الامان“
”اصل یہ ہے کہ کافر کا خون مباح ہے جبکہ اس کے پاس امان نہ ہو“۔

(الشرح الکبیر،ج۱۰،ص۵۶۰)

امام ابن ِ نحاس رحمۃ اللہ ایک کافر کے حربی ہونے کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ المغنی کے مصنف امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ نے فرمایا:

”مَنْ ضَلَّ الطَّرِیقَ مِنْھُمْ،أَوْ حَمَلَتْہُ الرِّیحُ الَیْنَا،فَھُوَ لِمَنْ أَخَذَہُ فِی احْدَی الرِّوَایَتَیْنِ ؛ لِأَنَّہُ مَتَاعٌ أَخَذَہُ أَحَدُ الْمُسْلِمِینَ بِغَیْرِ قُوَّۃِ مُسْلِمٍ،فَکَانَ لَہُ،کَالْحَطَبِ،وَالرِّوَایَۃُ الثَّانِیَۃ ، یَکُونُ فَیْئًا“

”جوکافر بھی اپناراستہ کھو بیٹھے یا ہوا اسے ہماری طرف لے آئے (کشتیوں کی صورت میں)تو یہ کافر(اوراس کا مال)اُس مسلمان کا ہے جس کے ہاتھ میں وہ آجائے دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق،اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مالِ فے ہے“۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۲۱،ص۱۸،رقم:۷۴۹۱)

امام ابن ِ نحاس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ المغنی کے مصنف امام احمد؟کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:
”وَسُئِلَ عَنْ مَرْکَبٍ بَعَثَ بِہِ مَلِکُ الرُّومِ،فِیہِ رِجَالُہُ،فَطَرَحَتْہُ الرِّیحُ الَی طَرْطُوسَ،فَخَرَجَ الَیْہِ أَھْلُ طَرْطُوس،فَقَتَلُوا الرِّجَالَ،وَأَخَذُوا

الْأَمْوَالَ؟ فَقَال:هَذَا فَيْئٌ الْمُسْلِمِينَ ، مِمَّا أَفَاءُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۔ "

"امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا(کافروں کے) ایک بحری جہاز کے بارے میں جس کو روم کے بادشاہ نے روانہ کیا جس میں لوگ تھے۔ پھر ہو ا نے اسے "طرطوس"کی طرف پہنچا دیا،تو اہل ِ طرسوس نکلے اور ان لوگوں کو قتل کردیا اور ان کے مالوں کو لوٹ لیا،تو انہوں نے کہا :"یہ مسلمانوں کے لئے مالِ فے ہے۔جس کو اللہ نے انہیں عطا کیا"

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۱۲،ص۸۲ ،رقم:۷۵۵۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے مزید سوال کیا گیا:

"وَعَنْ الْقَوْمِ يَضِلُّونَ عَنْ الطَّرِيقِ،فَيَدْخُلُونَ الْقَرْيَةَ مِنْ قُرَى الْمُسْلِمِينَ ، فَيَأْخُذُونَهُمْ ؟فَقَالَ يَكُونُونَ لِأَهْلِ الْقَرْيَةِ كُلِّهِمْ ، يَتَقَاسَمُونَهُمْ۔ "

"اور ان سے پوچھا گیا(کافروں میں سے) ان لوگوں کے بارے میں جو اپنا راستہ کھوبیٹھیں پھر ایک بستی میں جاپہنچے جو کہ مسلمانوں کی بستیوں میں سے ہواور کوئی مسلمان انہیں گرفت میں لے لے؟تو انہوں نے جواب دیا :"تو یہ بھی اس بستی کے لوگوں کا اجتماعی مال ہے اور وہ اس کو آپس میں تقسیم کرلیں"۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۱۲،ص۸۲ ،رقم:۷۵۵۲)

امام السرخسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"(قَالَ):وَسَأَلْته عَنْ الرَّجُلِ يَأْسِرُ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْعَدُوِّ هَلْ يَقْتُلُهُ أَوْ يَأْتِي بِهِ الْإِمَامَ۔ قَال:أَيُّ ذَلِکَ فَعَلَ فَحَسَنٌ ؛ لِأَنَّ بِالْأَسْرِ مَا تَسْقُطُ الْإِبَاحَة مِنْ دَمِهِ حَتَّى يُبَاحَ لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْتُلَهُ فَكَذَلِکَ يُبَاحُ لِمَنْ أَسَرَهُ كَمَا قَبْلُ أَخْذُهُ وَلَمَّا قُتِلَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ بَعْدَ مَا أُسِرَ يَوْمَ بَدْرٍ لَمْ يُنْكِرْ ذَلِکَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَنْ قَتَلَهُ ، وَإِنْ أُتِيَ بِهِ الْإِمَامُ فَهُوَ أَقْرَبُ الَى تَعْظِيمِ حُرْمَةِ الْإِمَامِ ، وَالْأَوَّلُ أَقْرَبُ الَى اظْهَارِ الشِّدَّةِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ،وَكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ فَيَنْبَغِي أَنْ يَخْتَارَ مِنْ ذَلِکَ مَا يَعْلَمُهُ أَنْفَعَ وَأَفْضَلَ لِلْمُسْلِمِينَ "

"اور جب میں نے (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے)پوچھا ایک شخص کے بارے میں جو دشمن میں سے کسی کو پکڑتا ہے تو وہ اس کو قتل کرے یا اس کو امام کے پاس لائے تو امام ابو حنیفہ نے جواب دیا "دونوں میں سے جو بھی کرے وہ اچھا(صحیح)ہے ۔کیونکہ قیدی بنانے کی صورت میں کوئی چیز اس کے خون کے مباح ہونے کو ختم نہیں کرتی ،تو امام اس کو قتل کرسکتا ہے ۔پس یہ قیدی بنانے والے کے لئے بھی جائز ہے جیساکہ قیدی بنانے سے پہلے (اس کا قتل جائز)تھا ۔اور جب امیہ بن خلف بدر کے روز قیدی بنانے کے بعد قتل کیا گیا تو رسول ﷺنے قتل کرنے والے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ)پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اگر وہ اس کو امام کے پاس لے جائیں تو یہ امام کے مقام کے احترام کے زیادہ قریب ہے جبکہ جو پہلی بات ہے (یعنی اسے قتل کردینا)یہ مشرکین پر شدت کے اظہار اور ان کی طاقت توڑنے کے زیادہ نزدیک ہے ۔تو اسے چاہیے دونوں میں سے جو چیز مسلمانوں کے لئے زیادہ سود مند ہو اسے اختیار کرے"۔

(المبسوط،ج۱۲،ص۳۳۷)

مشہور مصری عالم دین اوراخوان المسلمین کے مرشد عام شیخ عبدالقادر عودہ شہیدرحمۃ اللہ "حربی "کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دار الحرب کے باشندوں کی دو قسمیں ہیں :(۱)حربی (۲) مسلمان ....حربی دار الحرب کے وہ باشندے ہیں جو اسلام پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور حربیوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو اسلام کی جانب سے کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے اور اگر ان کے اور دار الاسلام کے درمیان کوئی معاہدہ یا صلح نہ ہو تو ان کا جان و مال مباح ہے ،کیونکہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اسلام میں (مال و جان کے)تحفظ کی دو صورتیں ہیں ،قبول اسلام اور امان"۔

(اسلام کا فوجداری قانون،جلد اول صفحہ ۳۷۱۔اسلامک پبلشر)

<<<<صرف جنگ میں شریک شخص"حربی"نہیں ہوتا>>>>

مسلمانوں کی طرف سے اگر کافر کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو یا اس کو پناہ دی گئی ہویا پھر جزیہ دینے پر آمادہ ہوگیا ہو

تواس کوباترتیب معاہد، مستأمن اور ذمی کہتے ہیں.........اس کے برعکس وہ کافر جس سے نہ کوئی معاہدہ ہواور نہ ہی اس کو پناہ دی گئی ہو اور نہ ہی وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو اس کو"محارب"یا "حربی " کہتے ہیں۔

یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ کافروں پر یہ تعریف (محارب یا حربی)تب بھی لاگو ہوتی ہے جب کہ کفار مسلمانوں کے خلاف حالتِ جنگ میں بھی نہ ہوں،کیونکہ کافر کی یہ تعریف تین صورتوں یعنی معاہد،مستامن یا ذمی کے علاوہ صورتوں پر ہے کیونکہ یہ ساری صورتیں اس کے خون اور جان کی حفاظت کرتی ہیں لیکن یہ تعریف مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے مشروط نہیں ہے۔چنانچہ کفر کا وصف ہی وہ چیز ہے جوکہ کافروں کی جان اور مال کو حلال کردیتی ہے۔ صرف چند صورتیں ایسی ہیں جو کہ ان کے جان اور مال کا تحفظ کرتی ہیں(کفر کی موجودگی کے باوجود)جیسے ذمی بن جانا۔ اسی وجہ سے علی فرماتےہیں :

"وَقَدْ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّہُ عَنْہُ:اِنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَۃَ لِتَكُونَ دِمَاؤُہُمْ كَدِمَائِنَا،وَأَمْوَالُہُمْ كَأَمْوَالِنَا"

"بے شک انہوں (کافروں)نے جزیہ اسی لئے دیا تاکہ ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہوجائے اور ان کا خون ہمارے خون کی طرح ہوجائے (یعنی ان کو تحفظ مل جائے)"۔

(المغنی ،ج۲۰،ص۴۶۷۔ در المختار،ج۴ص۔۴۰۳)

کافر کی جان ومال کی حرمت کب ہوتی ہے؟

اس سے پہلے کے ہم "کافر "کے بارے میں حکم شرعی کو مزید جانیں ،ہم ان استثنائی صورتوں کو اجمالاًسمجھ لیتے ہیں جن کی وجہ سے کافرکو عارضی استثنیٰ مل جاتا ہے اور اس کی جان و مال اور عزت کو عارضی تحفظ مل جاتا ہے۔وہ تین صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) معہد

(۲) مستأمن

(۳) ذمی

اس بات کو امام ابن القیم رحمۃ اللہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"ثم كان الكفار معہ بعد الأمر بالجهاد ثلاثة أقسام أهل صلح وهدنة وأهل حرب وأهل ذمة "

"پھر جہاد کے واجب ہونے کے بعد کفار کی تین قسمیں ہوگئیں(جن کو امان ملی)صلح ومعاہدہ والے ، جنگ کرنے والے اور ذمّی لوگ"۔

(زادالمعاد۱۵۹ /۳)

(۱) معہدکا مطلب:

دار الاسلام کا جن کافروں سے مقررہ یا غیر مقرہ مدت کے لئے معاہدہ ہوجائے تو ان کو بھی امان حاصل ہوجاتی ہے اور ان کے بھی مال وجان کو تحفظ حاصل ہوجاتاہے۔واضح رہے کہ اکثر فقہاء کرام کفار سے کسی بھی معاہدے کی مدت دس سال سے زیادہ مقررکرنے کوصحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس صورت میں جہاد معطل ہوکر رہ جائے گا اور دوسرا یہ کہ یہ معاہدے غیر شرعی بنیادوں پر نہ ہوں جیسے کہ مسلمانوں کے خلاف کافروں سے کسی بھی قسم کا معاہدہ کرلینا۔

(۲) مستأمن کا مطلب:

کسی بھی کافر کو اگر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے دے تو اس کافر کو تمام مسلمانوں کی طرف سے امان حاصل ہوجاتاہے اور اس کے جان ومال کوبھی تحفظ حاصل ہوجاتاہے۔البتہ اگر وہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتو اس کو اس کے جرم کے مطابق سزا ملے گی۔

(۳)ذمی کا مطلب:

ذمی وہ ہوتا ہے جوکہ ایمان نہ لائے لیکن مسلمانوں کواپنے مال میں سے ایک مقررہ حصہ جس کو شرعی اصطلاح

میں ''جزیہ''کہا جاتا ہے، سال بھر میں ایک دفعہ دیتار ہے۔لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ شریعت نے جزیہ دینے کا معاملہ صرف اہل کتاب اور مجوسیوں تک مخصوص رکھا ہے۔جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾

''ان لوگوں سے لڑتے رہوجو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے (اور)جو اللہ اور اس کے رسول کے حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے،نہ ہی دین حق کو قبول کرتے ہیں ،ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی ، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں''۔

(التوبة:۲۹)

باقی دوسرے قسم کے کافروں کے لئے مثلاً مشرکین کے لئے تو سوائے معاہدے یا امان کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں ہے۔شیخ عبدالقادر عودہ شہیدرحمۃ اللہ ان تینوں صورتوں کے بارے میں فرماتے ہیں :

''وہ حربی جن کا دار الاسلام سے کوئی معاہدہ نہ ہو تو وہ دار الاسلام میں داخل نہیں ہوسکتے اور اگر کوئی حربی دار الاسلام میں آجائے تو اس کی جان ومال مباح ہے ،اسے قتل کرکے اس کا مال سلب کیا جاسکتا ہے اور اس کو قید کرنا اور معاف کردینا بھی جائز ہے۔اور اگر کوئی حربی دارالاسلام میں اجازت سے یا مخصوص امان کی بناء پر یا کسی معاہدے کے تحت داخل ہو تو وہ مستامن ہے اور اس کے جا ن ومال وقتی طور پر محفوظ ہوجائیں گے ،کیونکہ اس کی امان بھی وقتی ہے دائمی نہیں ہے۔اس کو اجازت ہے کہ وہ دارالاسلام میں اپنی جان ومال کی حفاظت کے ساتھ قیام کرلے جس عرصے کی اسے امان ملی ہے ۔جب اس کی مدت امان ختم ہوجائے گی تو وہ دوبارہ حربی بن جائے گا جیسے کہ اگر وہ دارالاسلام چھوڑ جاتا تو اس کا جان و مال غیر محفوظ قرار پاتا ،البتہ اگر وہ(امان کی مدت ختم ہونے کے بعد)اپنے ارادے سے دار الاسلام میں رہے تو بعض اصحاب اس کو حربی قرار دیتے ہیں اور جبکہ بعض اس کو ذمی خیال کرتے ہیں ،اس لئے کہ وہ اپنے اختیار سے دار الاسلام میں رہ رہا ہے اور اس وجہ سے اس کے جان ومال دائمی طور پر محفوظ ہوگئے ہیں''۔

(اسلام کا فوجداری قانون،جلد اول صفحہ ۳۷۱)

یہاں ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ کافر کو جب ان تین میں سے کوئی ایک استثنا ء حاصل ہوتو اس کامطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اس کوہر قسم کی چھوٹ مل گئی اور اب وہ جو چاہے کرتارہے۔ فقہاء کرام نے اُن تمام چیزوں کے متعلق تفصیلاً احکامات اپنی فتاویٰ اور تصانیف میں بیان کردیئے ہیں جن کی وجہ سے ان کو حاصل یہ استثنیٰ بھی ختم ہوجاتا ہے اور ان کی پچھلی حیثیت یعنی حربی ہونابحال ہوجاتی ہے۔جیساکہ مسلمانوں کے خلاف کسی دوسرے کافر کی مدد کرنا،شریعت کا استہزاء،رسول اللہ ﷺکی شان میں گستاخی وغیرہ۔

پیرس حملوں کی بابت:::

<<<<کافر اگر مسلمانوں کی طرف بھٹک کر بھی آجائے تو اس کا حکم>>>>

جہاں تک تعلق ہے ان کفار کے بارے میں جو مسلمانوں کی زمینوں کی طرف رخ کریں امان طلب کرنے کے لئے، تو محکم رائے یہ ہے کہ ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔مگر جب وہ کسی بھی وجہ سے مسلمانو ں کی زمینوں میں داخل ہوجائیں یا اس طرف رخ کریں جبکہ وہ امان کے طلب گا ر نہ ہوں تو ان کا خون اور مال مباح ہے اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم کیاجائے گا۔)امام کے ذریعے یا ازخود)۔ امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ کا یہ قول پہلے گذر چکا کہ :

''مَنْ ضَلَّ الطَّرِيقَ مِنْهُمْ ،أَوْ حَمَلَتْهُ الرِّيحُ اِلَيْنَا،فَهُوَ لِمَنْ أَخَذَهُ فِي اِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ ؛لِأَنَّهُ مَتَاعٌ أَخَذَهُ أَحَدُ الْمُسْلِمِينَ بِغَيْرِ قُوَّةِ مُسْلِمٍ،فَكَانَ لَهُ،كَالْحَطَبِ،وَالرِّوَايَةُ الثَّانِيَة، يَكُونُ فَيْئًا''

''جوکافر بھی اپناراستہ کھو بیٹھے یا ہوا اسے ہماری طرف لے آئے (کشتیوں کی صورت میں)تو یہ کافر(اوراس کا مال)اُس مسلمان کا ہے جس کے ہاتھ میں وہ آجائے دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق،اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مالِ فےِ ہے''۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۲۱،ص۱۸،رقم:۷۴۹۱)

امام ابن ِ نحاس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ المغنی کے مصنف امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

’’وسئل عن قوم یکونون فی حصن أو رباط فیخرج منهم قوم الی قتالهم فیصیبون دواباً أو سلاحاً؟فقال أبوعبد اللّٰہ :یکون بین اهل الرباط،واهل الحصن‘‘

’’اور ان سے پوچھا گیا ان لوگوں(مسلمانوں)کے بارے میں جو قلعے میں ہوں یا رباط میں ہوں اور پھر ان (مسلمانوں)میں سے کچھ لوگ باہر نکل کر ان (کافروں)سے لڑیں اور ان کے مال مویشی ہتھیاروں کو حاصل کریں تو ابوعبداللہ(امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ) کہتے ہیں کہ’’یہ مال اہلِ قلعہ اور اہلِ رباط کے درمیان تقسیم ہوگا‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی والشرح الکبیر،ج۱۰،ص۵۶۴)

المغنی کے مصنف فرماتے ہیں:

’’وَاِذَا دَخَلَ حَرْبِیٌّ دَارَ الْاِسْلَامِ بِغَیْرِ أَمَانٍ،نَظَرْت؛فَاِنْ کَانَ مَعَهُ مَتَاعٌ یَبِیعُهُ فِی دَارِ الْاِسْلَامِ،وَقَدْ جَرَتْ الْعَادَة بِدُخُولِهِمْ اِلَیْنَا تُجَّارًا بِغَیْرِ أَمَانٍ،لَمْ یُعْرَضْ لَهُمْ.وَقَالَ أَحْمَدُ:اِذَا رَکِبَ الْقَوْمُ فِی الْبَحْرِ،فَاسْتَقْبَلَهُمْ فِیهِ تُجَّارٌ مُشْرِکُونَ مِنْ أَرْضِ الْعَدُوِّ یُرِیدُونَ بِلَادَ الْاِسْلَامِ،لَمْ یَعْرِضُوا لَهُمْ،وَلَمْ یُقَاتِلُوهُمْ ‘‘

’’اگرایک حربی دارالاسلام میں بغیر امان کے داخل ہوجائے تو اس کی جانچ پڑتال کی جائے گی کہ کیا اس کے پاس ہتھیار ہیں جو وہ دارالاسلام میں فروخت کرے اور اگر یہ عام طور پر داخل ہوں بغیر امان کے تاجروں کی حیثیت سے تو ان کا راستہ نہیں روکا جائے گا۔اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ لوگ اگر سمندر میں نکلیں اور ایک جہاز آجائے جو کہ دشمن کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہو اور جس میں مشرکین تاجر ہوں جو مسلمانوں کی سرزمین پر جانے کی غرض سے نکلے ہوں تو ان کا راستہ نہیں روکا جائے گا اور ان سے نہیں لڑا جائیگا‘۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۸،رقم:۷۴۹۱)

امام ابن ِ نحاس رحمۃ اللہ رماتے ہیں:

’’وقد ذکر الرافعی والنووی وغیرهما ان قصد التجارۃ لایفید الامان، وانہ لو قال:ظننت ان قصد التجارۃیفید الامان فلا أثر لظنہ ویغتال‘‘

’’مگرامام الرافعی رحمۃ اللہ اورامام النووی رحمۃ اللہ اور دیگر کہتے ہیں کہ تجارت کی غرض کو امان نہیں شمار کیا جائے گا، اور اگر وہ کافر کہیں کہ میرا گمان تھا کہ تجارت کی غرض سے آنا امان سمجھاجائے گا، تو اس کے گمان سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور اس کو قتل کردیا جائیگا‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔الروضۃ،ج۱۰،ص۲۸۰)

پھرامام ابن ِ نحاس رحمۃ اللہ پنے بارے میں فرماتے ہیں:

’’وقد سألت جماعة من اعیان الشافعیة عن الحربی یخرج من بلادہ قاصداً بلاد المسلمین بتجارة۔هل یجوز لأحد الرعیة غزوہ قبل دخولہ میناء المسلمین أوبعددخولہ،وقبل أمانہ أم لا؟۔فاجابوا بانہ یجوز قتالہ قبل دخول میناء المسلمین وبعدہ،واللّٰہ اعلم‘‘

’’اور میں نے پوچھا(ایک سوال)شافعیوں کے ایک گروہ سے حربی کے بارے میں جو اپنے ملک سے نکلے اس غرض سے کہ مسلمانوں کے ملکوں میں تجار ت کرے :’’کیا یہ جائز ہے کہ ایک گروہ ان سے لڑے مسلمانوں کی بندر گاہ میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہونے کے بعد ،اور کیا ایسی صورت میں (محض اس کے ارادے سے)اس کی امان کا اعتبار کیا جائے یا نہیں ۔تو انہوں نے جواب دیا :ان پر حملہ کرنا جائز ہے مسلمانوں کے بندر گا ہ میں داخل ہونے سے پہلے اور داخل ہونے کے بعدبھی (واللہ اعلم)‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴)

فقہاءکرام وسلف صالحین کے اقوال کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ فقہاء نے کفار کے مال اور جان کو(چاہے وہ تاجرہویا کسی بھی اورصورت میں)اس بنیاد پر جائز قرارنہیں دیا کہ انہوں نے اسلام یا مسلمانوں پر جارحیت کی ہوبلکہ صرف اس بنیاد پر کہ ان کو امان کا کوئی عہد نہیں دیا گیا۔

فقہاء کے درمیان اختلاف صرف اس بات پرہے کہ جب کفار دارالاسلام بغیر اجازت داخل ہوں چاہے وہ تجارت کی

غرض سے ہویا کوئی اور مجبوری تو ان کفار کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ آیا ان کو امان دی جائے یا ان کو لوٹادیا جائے یا پھراگرکوئی ان کے مال و جان پر کوئی قبضہ کرلے توکوئی بھی حرج نہیں۔جبکہ کفار کے ''حکم اصلی ''یعنی ان کا مال اور جان ایک مسلمان کے لئے حلال ہے سوائے چند صورتوں کے ،اس میں فقہاء کرام میں کوئی بھی اختلاف نہیں ۔

جیساکہ امام ابن ِ نحاس رحمۃ اللہ امام مالک رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''وروی ابن وھب،عن مالک،فی قوم من العدو ونزلوا بساحلنا بغیر اذن فأخذاو،فزعموا انھم تجار لفظھم البحر،ولایعلم صدقھم وقد تکسرت مراکبھم،ومعھم سلاح،أویشکون العطش الشدید،فینزلون للماء بغیر اذن،أن ذلک للامام یری فیھم رایہ،ولا یخمسون،وانماالخمس فیما أوجف علیہ بالخیل والرکاب''۔

''ابن ِ وہاب روایت کرتے ہیں امام مالک سے ایک شخص کے بارے میں جو کہ دشمنوں میں سے ہو اور ہمارے ساحل پر آجائے بغیر اجازت کے پھر وہ پکڑا جائے اور اس کے بعد وہ دعویٰ کریں کہ''وہ تو تاجر ہیں اور سمندر میں راستہ بھٹک گئے ہیں''لیکن ان کا سچا ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا اور ان کا جہاز بھی ٹوٹ چکا ہے اوران کے پاس ہتھیار ہیں یا پھر وہ شدید پیاس کی صورت میں پانی کی تلاش میں بغیر اجازت ساحل پر آجائیں تو یہ امام پر منحصر ہے کہ وہ ان کا کیا (فیصلہ) کرتا ہے ۔اور یہ خمس میں تقسیم نہیں ہوگا کیونکہ خمس صرف غنیمت پر ہے جو کہ حاصل کیا جاتا ہے گھوڑوں اور اونٹوں کے ذریعے لشکر کشی کرتے ہوئے ۔''

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۵)

اس کے بعدامام ابن ِ نحاس رحمۃ اللہ امام عبدالسلام المالکی رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''واذا لم تقم أمارۃ علی صدقھم ولا علی کذبھم،فالحکم اما الاستراق أو یردون الی مامنھم،ولایجوز القتل علی اشھر القولین،والقول الاخر :یجوز عملاً بمقتضی الأصل وبانتفاء المانع''

''اور اگر ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو پھر یا تو ان کا حکم غلامی کا ہے یا پھر یہ کہ ان کو امن کی جگہ پر پہنچادیا جائے اور دونوں آرا میں سے راجح قول یہ ہے کہ ان کا قتل جائز نہیں ہے جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ اصل قاعدے (حکم ِ اصلی)کی بنیاد پر اور ان کو تحفظ فراہم کرنے والی کسی بھی وجہ(استثناء)کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کا قتل جائز ہے''۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۵)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

''اکثر فقہاء کے نزدیک قرآن وسنت کے مطابق ان میں سے یعنی کفار میں سے کوئی شخص لڑتے ہوئے یا بغیر لڑے قید کرلیا جائے مثال کے طور پر اگر اس کا جہاز اسے ہماری طرف لے آئے یا وہ راستہ بھٹک جائے یا وہ دھوکہ سے قید کیا جائے تو امام اس کے ساتھ وہ کرتا ہے جو زیادہ فائدہ مند ہو اس کو قتل کرنے سے لے کر غلام بنانے ،احسان کرنے ،فدیہ لینے یا قیدی کے بدل کے طور ''۔

(مجموع الفتاویٰ،۲۸/۳۵۵)

سیرت نبوی ﷺسے مثالیں:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِی سُلَیْمٍ بِنَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَسُوقُ غَنَمًا لَہُ فَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ فَقَالُوا مَا سَلَّمَ عَلَیْنَا اِلَّا لِیَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعَمَدُوا اِلَیْہِ فَقَتَلُوہُ وَأَتَوْا بِغَنَمِہِ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ الْآیَۃَ ﴿یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی سَبِیلِ اللَّہِ فَتَبَیَّنُوا ﴾))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریوں کو ہانکتے ہوئے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے گذرا، اس نے انہیں سلام کیا، وہ کہنے لگے کہ اس نے ہمیں سلام اس لئے کیا ہے تاکہ اپنی جان بچالے(حالانکہ یہ کافر ہے)، یہ کہہ کر وہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ''اے ایمان والو!جب تم اللہ کے

راستے میں نکلو تو خوب چھان بین کرلو"۔
(مسند احمد،ج۶،ص۴۵۱،رقم الحدیث:۱۹۱۹)
بنو سلیم سے تعلق رکھنے والے اس شخص کے واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحابہ کرام کی جانب سے اس کو قتل کرنے اور اس کا مال ومتاع لوٹنے پر جو نکیر آئی وہ اس کے ایمان کے اظہار کی وجہ سے ہے ورنہ اگر کافر کی جان و مال کی کوئی حرمت ہوتی تو صحابہ کرام اس کے یوں قتل کو جائز نہ سمجھتے اور نہ ہی اس کے مال و متاع کوحلال سمجھتے ۔

اس کی دلیل امام محمد ابن الحسن اشجع سے آئے ہوئے شخص کے متعلق اس فتوی سے بھی ہوتی ہے :
"أن رجلاً من أشجع جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشکا الیہ الحاجة فقال: اصبر،ثم ذهب فأصاب من العدو غنیمة،وأتی بها النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فطیبها لہ، فأنزل اللّٰہ تعالی﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰہَ يَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًاوَّيَرْزُقْہُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾(الطلاق:۲،۳)فهذا أصل علمائنا فیما یصیبہ الواحد والمثنی من دار الحرب۔اذا دخلوا علی وجہ التلصص، بغیر اذن الامام"
"ایک آدمی اشجع سے آپﷺکے پاس آیا ان سے ایک معاملہ کی شکایت کی ،آپ ﷺ نے فرمایا کہ "صبر کرو"وہ پھر(کافر)دشمنوں سے غنیمت حاصل کرکے آپ ﷺکے پاس(لوٹ)آیا تاکہ آپﷺ اس کے لئے یہ جائز(حلال)کریں تواللہ نے یہ آیت نازل کی:﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰہَ يَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًاوَّيَرْزُقْہُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾(الطلاق:۲،۳)"اور جوکوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اللہ اس کے لئے راستہ بنادیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق ملتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا"۔یہ (واقعہ) بنیادی (دلیل ہے)ہمارے علماء کے نزدیک ان لوگوں کے بارے میں جو امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں ہوں چوری کی نیت سے "
(شرح کتاب السیر الکبیر،ج۱،ص۳۹۶)
شیخ یوسف العیری شہیدرحمة اللہ فرما تے ہیں:
"واذا لم یکن الکافر معاهداً ولا ذمیاً فان الأصل فیہ أنہ حربی حلال الدم والمال والعرض"
"اور جب کافر نہ تو حلیف ہواور نہ ذمی تو بلاشبہ اس کی اصل یہی ہے کہ وہ ایسا حربی یعنی جنگجو ہوتا ہے کہ جس کا خون ، مال اور عزت حلال ہوتا ہے"
(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة)
امام انور العولقی رحمة اللہ اپنے فتوے میں فرماتے ہیں:
"ہماری اسلامی شریعت کے مطابق کفارکے ہاتھو ں میں جو املاک ہیں وہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کی جائز ملکیت تصور نہیں ہوتیں اور جب کبھی اسلام اگر انہیں ملکیت کا حق دیتا ہے تو وہ ایسا (ان کفار کے بارے میں)بنیادی اصول (کہ ان کا مال وجان حلال ہے)سے استثنائی صورت میں کرتا ہے،جیسے اہل الذمہ کے معاملے میں جب وہ جزیہ اداکریں ۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کو "فے"کا نام دیا ہے جس کے معنی "واپس لوٹانے "کے ہیں ،پس وہ کہتے ہیں کہ کفار کی املاک جو کہ (اصلاً)ان کی جائز ملکیت نہیں ہیں ،مومنوں کی طرف واپس لوٹ آئی ہیں جو ان املاک کے "جائز"مالک ہیں"۔
(امام انور العولقی شہیدرحمہ اللہ کے مشہور فتوے "دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم" سے اقتباس)

پیرس میں حملوں کی بابت:
<<<<<<<کفار کے ملکوں کی حیثیت:>>>>>>>>
شریعت میں بلاشبہ پوری دنیا کے ملک مسلمانوں کے لیے یاتو دارالحرب کا درجہ رکھتے ہیں یا پھر بامعاہدہ(حلیف)ہونے کا۔ لہٰذا تمام کافر ملک تو اصل میں جنگجوملک(دارالحرب)ہیں اسی لیے ان کے خلاف ہر طرح کی لڑائی لڑنا جائز ہے ۔

جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگجو ملکوں کے قافلوں کو روکتے جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلوں کو روکا اور کافر ملکوں کی عوام کو ضرورت پڑنے پر ضمانت کے طور پر (گروی)رکھ لیتے۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کی طرف سے اپنے صحابہ کو قیدی بنائے جانے پر اس کے حلیف قبیلے بنوعقیل کے ایک آدمی کو قیدی بنالیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگجو ملکوں کے اُن بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے قتل کا فتوی دیتے تھے کہ جن کا(دشمن میں سے)پہچانا جانا ممکن نہ ہوتا اور جنگجوؤں تک انہیں قتل کیے بغیر پہنچنا ناممکن ہوتا۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں بھی ایسا کیا اور اس شہر پرمنجنیق کے ذریعے پتھروں کی بارش کی۔ لہٰذا جنگجو ملکوں کو نقصان پہنچانے سے منع کرنے والی شرعی حدود کا وجود نہیں ،ماسوائے اس کے کہ اگر عورتیں، بچے، اور بوڑھے واضح طورپر پہچانے جاتے اور وہ جنگ وحملے میں دشمن کے مدد گار بھی نہ ہو تو اس صورت میں انہیں نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

لہٰذا کفارکے ملکوں کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک قسم حربی(جنگجو)ہے اور اصل ان کی یہی ہے۔ جبکہ دوسری قسم معاھد(حلیف)کی ہے ۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرکوں کی تقسیم کا ذکر آیا ہے ۔ انہوں نے فرمایا:

((كان المشركون على منزلتين من النبی ﷺوالمؤمنين،مشركی أهل حرب يقاتلهم ويقاتلونه ومشركی أهل عهد لا يقاتلهم ولا يقاتلونه))

"مشرکوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے ہاں دودرجے تھے ۔جنگجو مشرک جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ۔ اور حلیف مشرک جن سے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے اور نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے"۔

شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ کہتے ہیں:

"والدول لا تكون ذمية بل تكون أما حربية أو معاهدة ، والذمة هی فی حق الأفراد فی دار الاسلام "۔

"جبکہ ملک تو ذمّی نہیں ہوتے بلکہ یاتو جنگجو ہوتے ہیں یاپھر معاہدہ کرنے والے(حلیف)جبکہ دارالاسلام میں ذمّی صرف افراد کا حق ہوتا ہے"

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة)

امام انور العولقی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"کوئی بھی قوم جو مسلمانوں سے جنگ میں (براہ راست)داخل ہوتی ہے یا مسلم اراضی میں حملہ کرنے میں شمولیت اختیار کرتی ہے وہ فی الحقیقت "دار الحرب "بن جاتی ہے"۔

(امام انور العولقی شہیدرحمہ اللہ کے مشہور فتوے "دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم"سے اقتباس)

>>>>کفار کے بچوں ،عورتوں ،بوڑھوں کا حکم<<<<

شریعت نے"غیر حربی "ہونے کے لئے جو استثنائی صورتیں بیان کی ہیں ان میں(معہد،مستامن یاذمی ہونے کے علاوہ)بنیادی طور پر کسی کا بچہ یا عورت ہونا، انتہائی بوڑھا ،یا مزدورہوناوغیرہ ثابت ہوجائے۔اس حوالے سے چنداحادیث درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ وُجِدَتْ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِی بَعْضِ مَغَازِی رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ))

" رسول اللہﷺکے ایک غزوے کے دوران ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور

بچوں کو قتل کرنے سے منع کردیا‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۰،ص۲۰۸،رقم الحدیث:۲۷۹۲)

اور مسلم کی ایک حدیث جو بُریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((اغْزُوا بِاسْمِ اللَّہِ فِی سَبِیلِ اللَّہِ قَاتِلُوا مَنْ کَفَرَ بِاللَّہِ اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِیدًا))

’’اللہ کی راہ میں اللہ کے نام کے ساتھ حملہ کرو۔ ان لوگوں سے لڑو کہ جو اللہ کا انکار کرتے ہیں حملہ کرو اور غلو نہ کرو، اور نہ غداری کرو، اور نہ مثلہ کرو اور نہ بچے کو قتل کرو‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،ص۱۵۰،رقم الحدیث:۲۱)

رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

((عَنْ جَدِّہِ رَبَاحِ بْنِ رَبِیعٍ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی غَزْوَۃٍ فَرَأَی النَّاسَ مُجْتَمِعِینَ عَلَی شَیْئٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَامَ اجْتَمَعَ ہَؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَی امْرَأَۃٍ قَتِیلٍ فَقَالَ مَا کَانَتْ ہَذِہِ لِتُقَاتِلَ قَالَ وَعَلَی الْمُقَدِّمَۃِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا یَقْتُلَنَّ امْرَأَۃً وَلَا عَسِیفًا))

’’ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ کسی کے گرد جمع ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: ذرا دیکھو کہ یہ لوگ کس چیز کے گرد اکٹھے ہوئے ہیں۔ تو وہ شخص واپس آیا اور اُس نے بتایا کہ ایک مقتول عورت کے گرد۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہ:یہ تو لڑ نہیں سکتی تھی۔ صحابی نے کہا کہ مقدمہ(سب سے اگلے دستے)پرخالد بن الولید تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا:’’خالد سے کہو کہ وہ کسی عورت اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرے‘‘۔

(سنن ابی داود،ج۷،ص۲۷۴،رقم الحدیث:۲۲۹۵)

امام النووی رحمۃ اللہ نے فرمایا:

’’أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَی الْعَمَل بِھَذَا الْحَدِیث،وَتَحْرِیم قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْیَان إِذَا لَمْ یُقَاتِلُوا ،فَإِنْ قَاتَلُوا قَالَ جَمَاھِیر الْعُلَمَاء:یُقْتَلُونَ‘‘

’’علماء کا اس حدیث پر عمل کرنے اور ایسی عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر اجماع ہے کہ جو لڑتے نہیں لیکن اگر وہ لڑیں تو جمہورعلماء کا کہنا ہے کہ انہیں قتل کیا جائے گا۔‘‘

(شرح النووی علی مسلم،ج۶،ص۱۸۸،رقم :۳۲۸۰)

اور آپ مزید فرماتے ہیں:

’’وکذلک کل من لم یکن من أھل القتال لا یحل قتلہ الا اذا قاتل حقیقۃ أو معنی بالرأی والطاعۃ والتحریض وأشباہ ذلک‘‘

’’اور اسی طرح جو بھی لڑائی کے اہل نہ ہو اسے قتل کرنا حلال نہیں ماسوائے اس کے کہ وہ حقیقت میں لڑے یا لڑائی میں دشمن کورائے دے یا اس کی اطاعت کرے یا لڑائی پرابھارے اور اسی سے ملتے جلتے کام کرے‘‘۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس (سابق حدیث)کا مفہوم یہ ہے کہ:

’’’فَإِنَّ مَفْھُومہ أَنَّھَا لَوْ قَاتَلَتْ لَقُتِلَتْ ‘‘

’’ اگر کوئی عورت لڑے تو اسے قتل کیا جائے‘‘۔

(فتح الباری،ج۹،ص۲۲۴،رقم۲۷۹۰)

یہ اور اسی طرح کی دوسری دلیلیں ہیں جوکہ عورتوں ، بچوں، حددرجہ بوڑھوں اور مزدور کو قتل کرنے سے مستثنیٰ قراردیتیں ہیں خواہ وہ جنگجو قوم سے ہی تعلق رکھتے ہوںمگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ لڑائی کے دوران پہنچانے جائیں اور لڑائی پر دشمن کی نہ تو فعل اور نہ قول سے کوئی مدد کرتے ہوں ،تویوںہی اُن کا قصداً قتل کرنا حرام ہوجاتا ہے سوائے چند ایک صورتوں میں جیسے کہ دشمن کو معاملہ بالمثل(دشمن کو بدلے کی سزا)دینے کی خاطر، جیسا آگے اس کا ذکر آئے گا۔

وہ استثنائی صورتیں جس میں کفار کے بچوں ،عورتوں ،بوڑھوں کو مارنا بھی جائز ہوجاتاہے---

1۔ کافر وں کے ساتھ گڈمڈ ہوجانا
2۔ کفار کے عورتوں ،بوڑھوں اور بچوں کا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی بھی طرح شریک ہونا
3۔ جب دشمن پر عام تباہی مسلط کرنا مقصود ہو
4۔ جب کفار پر سنگ باری کرنا مقصود ہو
5۔ جب کفار اپنی عورتوں اور بچوں کوہی ڈھال بنالیں
6۔ کفار کی طرف سے عہد شکنی کی صورت میں
7۔ جب"معاملہ بالمثل"(بدلے کی سزا دینا)مقصود ہو
ان سات صورتوں کے دلائل اگلی پوسٹ میں ان شاء اللہ

پیرس حملوں کی بابت::::
ایسی استثنائی صورتیں جن میں کفار کے بچوں ،عورتوں ،بوڑھوں کو مارنا بھی جائز ہوجاتاہے
>>>کافر وں کے ساتھ گڈمڈ ہوجانا<<<
پہلی صورت یہ ہے کہ کفار کے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں جیسے معصوم لوگوں کادوسرے کافروں کے ساتھ بغیر قصد کے قتل کرنا اس شرط کے ساتھ جائزہے کہ وہ ان جنگجوؤں کے ساتھ اور قلعوں میں نشانہ بنیں کہ جن کے سبب انہیں پہچانا نہ جاسکے تو اس صورت میں انہیں قتل کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
((قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الذَّرَارِيِّ مِنْ الْمُشْرِكِينَ يُبَيَّتُونَ فَيُصِيبُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ فَقَالَ هُمْ مِنْهُمْ))
"انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولادوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جب رات کے وقت اُن(مشرکوں)پر حملہ کرتے ہیں تو ان کی عورتیں اور بچے بھی نشانہ بن جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((هُمْ مِنْهُمْ))"وہ انہی میں سے ہیں"۔
(صحیح مسلم،ج۹،ص۱۷۷رقم الحدیث:۳۲۸۱)
یہ حدیث کفار کی عورتوں، بچوں کو ان کے باپوں کے ساتھ اُس صورت میں قتل کرنے کے جوازکی دلیل ہے کہ جب وہ پہچانے نہ جائیں۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:
((هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ))
"وہ اپنے باپوں میں سے ہیں"۔
(صحیح مسلم،ج۹،ص۱۹۷رقم الحدیث:۳۲۸۳)
حضرت عبدا للہ بن عمرو سے روایت ہے :
((اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ))
"نبی کریم ﷺنے بنی مصطلق پر چھاپہ مار اجبکہ وہ غفلت کے عالم میں تھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلایا جارہا تھا۔ ان میں سے جو لوگ لڑنے والے تھے ان کو تو آپ ﷺنے قتل کردیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا"۔
(صحیح البخاری،ج۸،ص۴۷۲،رقم الحدیث:۲۳۵۵)
((أمر علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،أبا بکر فغزونا ناسا من المشرکین، فبیتناهم،وقتلناهم،وکان شعارنا أمت،أمت،قال سلمة:فقتلت بیدی تلک اللیلة ، سبعة أهل أبیات))
"رسول اللہ ﷺنے حضرت ابوبکر کو ہمارے لشکر کا امیر بنادیا،پس ہم نے مشرکین سے جنگ کی ،ان پر شب خون مارا اور ان کو قتل کیا ،اس رات ہمارا خفیہ اشارہ "أَمِتْ أَمِت"تھا۔حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ اس رات میں اپنے ہاتھ سے سات گھروں کے مشرکوں کو قتل کیا"۔
(صحیح ابن حبان،ج۲۰،ص۹،رقم الحدیث:۴۸۳۳)
یہ حدیث کم وبیش الفاظ کے ساتھ سنن ابی داود،مسند احمد موجود ہے اور امام حاکم اس کو مسلم کی شرائط پر

صحیح قرار دیاہے ۔

جمہور(علماء)کی رائے ہے کہ کفار کی عورتوں اور ان کی اولادوں کو قصداً قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کے باپوں کے قتل تک انہیں (بچوں، عورتوں)کو بغیر پہنچانے کے نشانہ بنایاجائے تو پھر یہ (ان عورتوں بچوں کا قتل)جائز ہے۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ صعب بن جثامہ والی حدیث کے ضمن میں فرمایا:

''قَوْله:(عَنْ أَهْل الدَّار)أَيْ الْمَنْزِل،هَكَذَا فِي الْبُخَارِيّ وَغَيْره وَوَقَعَ فِي بَعْض النُّسَخ مِنْ مُسْلِم ''سُئِلَ عَنْ الذَّرَارِيّ''قَالَ عِيَاض:الْأَوَّل هُوَ الصَّوَاب۔وَوَجَّهَ النَّوَوِيّ الثَّانِي وَهُوَ وَاضِح.قَوْله:(هُمْ مِنْهُمْ)أَيْ فِي الْحُكْم تِلْكَ الْحَالَة،وَلَيْسَ الْمُرَاد اِبَاحَة قَتْلهمْ بِطَرِيقِ الْقَصْد اِلَيهِمْ ، بَلْ الْمُرَاد اِذَا لَمْ يُمْكِن الْوُصُول اِلَى الْآبَاء اِلَّا بِوَطْئِ الذُّرِّيَّة فَإِذَا أُصِيبُوا لِاخْتِلَاطِهِمْ بِهِمْ جَازَ قَتْلهمْ ۔''

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اہل دار سے مراد گھروالے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ وہ انہی میں سے ہیں یعنی اس حالت میں(شرعی)حکم میں اور اس سے قصداً(ارادے کے ساتھ)انہیں قتل کی اباحت مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر بڑوں تک بچوں کو روندے بغیر پہنچنا ممکن نہ ہو اور وہ (بچے)اُن(بڑوں)کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے نشانہ بن جائیں تو اس صورت میں اُن کا قتل جائز ہے''۔

(فتح الباری لابن حجر،ج۹،ص۲۲۴،رقم :۲۷۹۰)

امام مسلم صحیح مسلم میں باقاعدہ یہ باب باندھتے ہیں''بَاب جَوَازِ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ فِي الْبَيَاتِ مِنْ غَيْرِ تَعَمُّدٍ''''رات میں غیر ارادی طور پر عورتوں اور بچوں کے قتل کا جواز''اورامام النووی، صحیح مسلم کی اپنی شرح میں اس باب کے تحت آنے والی احادیث پر فرماتے ہیں :

((سُئِلَ عَنْ حُكْم صِبْيَان الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ يَبِيتُونَ فَيُصَاب مِنْ نِسَائِهِمْ وَصِبْيَانهمْ بِالْقَتْلِ ، فَقَالَ : هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ أَيْ لَا بَأْس بِذَلِكَ ؛ لِأَنَّ أَحْكَام آبَائِهِمْ جَارِيَة عَلَيْهِمْ فِي الْمِيرَاث وَفِي النِّكَاح وَفِي الْقِصَاص وَالدِّيَات وَغَيْر ذَلِكَ،وَالْمُرَاد إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدُوا مِنْ غَيْر ضَرُورَة .وَأَمَّا الْحَدِيث السَّابِق فِي النَّهْي عَنْ قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان،فَالْمُرَاد بِهِ إِذَا تَمَيَّزُوا،وَهَذَا الْحَدِيث الَّذِي ذَكَرْنَاهُ مِنْ جَوَاز بَيَاتهمْ وَقَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان فِي الْبَيَات ،هُوَ مَذْهَبنَا وَمَذْهَب مَالِك وَأَبِي حَنِيفَة وَالْجُمْهُور.وَمَعْنَى ''الْبَيَات''،''وَيَبِيتُون''أَنْ يُغَار عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ بِحَيْثُ لَا يُعْرَف الرَّجُل مِنْ الْمَرْأَة وَالصَّبِيّ ......وَفِي هَذَا الْحَدِيث:دَلِيل لِجَوَازِ الْبَيَات،وَجَوَاز الْإِغَارَة عَلَى مَنْ بَلَغَتْهُمْ الدَّعْوَة مِنْ غَيْر إِعْلَامهمْ بِذَلِكَ .وَفِيهِ :أَنَّ أَوْلَاد الْكُفَّار حُكْمهمْ فِي الدُّنْيَا حُكْم آبَائِهِمْ ،وَأَمَّا فِي الْآخِرَة فَفِيهِمْ إِذَا مَاتُوا قَبْل الْبُلُوغ ثَلَاثَة مَذَاهِب:الصَّحِيح:أَنَّهُمْ فِي الْجَنَّة .وَالثَّانِي :فِي النَّار .وَالثَّالِث :لَا يُجْزَم فِيهِمْ بِشَيْئٍ .وَاَللَّه أَعْلَم ۔''

''اور اسکا مطلب یہ ہے کے جب رسول اللہﷺسے مشرکین کے عورتوں‌اور بچوں پرحملے سے متعلق پوچھاگیا،اور اسکے نتیجے میں عورتیں اور بچے مارے جائیں تو آپﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

((هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ))''یہ اپنے باپوں میں سے ہیں''۔دوسرے الفاظوں میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔وہ اس لئے کہ ان پر ویسا ہی حکم لگے گا جو انکے باپوں کا ہے،وصیت میں،شادی بیاہ میں،قصاص و دیت میں اور ان جیسے دوسرے معاملات میں۔اور اس سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ(قتل)قصداً نہ ہو اور ضرورت کے علاوہ قتل نہیں کیا جائیگا جیساکہ پچھلی احادیث میں ذکر کیاگیا ہے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کے حوالے سے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر(عورتوں اور بچوں کے درمیان)تفریق ممکن ہو۔اور(صعب والی)حدیث جو ہم نے ابھی ذکر کی رات کو عورتوں اور بچوں کے قتل کی اجازت سے متعلق، یہی ہماری علمی رائے ہے اور یہی مذہب اما م مالک رحمہ اللہ،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگرجمہور علماء کا ہے۔اور رات کے چھاپوں کا مطلب جب ان کے خلاف رات کو حملہ کیا جائے جبکہ ایک آدمی کو عورتوں اور بچوں سے ممتاز نہ کیا جاسکے ،اوریہاں اس حدیث میں رات کے حملو ں کا بھی ثبوت ملتا ہے،اوراس میں اس بات کی بھی اجازت ملتی ہے کہ ان لوگوں پرغفلت میں بھی حملہ کرنے کیا جاسکتاہے جن تک دعوت پہنچ چکی ہو ،اور اس (حدیث)سے یہ بھی پتا چلتاہے کہ مشرکین کے بچوں کا حکم اس دنیا میں وہی ہے جو ان کے باپوں پر حکم ہے اور جہاں تک ان کا آخرت میں معاملہ ہے اگروہ بلوغت سے پہلے مرجائیں تو اس پر علماء کی تین آرا ہیں:(پہلی)صحیح رائے یہ ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے،دوسری رائے یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے،اور تیسری رائے یہ ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بات طے شدہ نہیں ہے۔واللہ اعلم''۔

(شرح النووی علی مسلم،ج۶،ص۱۸۹،رقم :۳۲۸۱)

یہاں ایک نکتہ بہت قابل غورہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ کہہ رہے ہیں کہ ”کفار کے بچوں کا آخر ت کے حکم پر اختلاف ہے “مگر اس دنیا میں انہوں نے کسی اختلاف کا ذکر ہی نہیں کیا یعنی دنیا میں کفار کے بچو ں کا وہی حکم ہے جو ان کے باپوں کا حکم ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”قال الشافعی وحدیث الصعب بن جثامة فی عمرة النبی فان کان فی عمرتہ الاولی فقد قیل أمر بن أبی الحقیق قبلها وقیل فی سنتها وان کان فی عمرتہ الآخرة فهو بعد أمر بن أبی الحقیق غیر شک (واللّٰہ اعلم)صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولم نعلمہ صلی اللّٰہ علیہ رخص فی قتل النساء والولدان ثم نهی عنہ ومعنی نهیہ عندنا واللّٰہ أعلم عن قتل النساء والولدان أن یقصد قصدهم بقتل وهم یعرفون متمیزین ممن أمر بقتلہ منهم ومعنی قولہ هم منهم انهم یجمعون خصلتین أن لیس لهم حکم الایمان الذی یمنع بہ الدم ولا حکم دار الایمان الذی یمنع بہ الاغارة علی الداروغذا أباح رسول اللّٰہ البیات والاغارة علی الدار فاغار علی بنی المصطلق غارین فالعلم یحیط ان البیات والاغارة اذا حل باحلال رسول اللّٰہ لم یمتنع أحد بیت أو أغار من أن یصیب النساء والولدان فیسقط المأثم فیهم والکفارة والعقل والقود عن من أصابهم اذ أبیح لہ أن یبیت ویغیر ولیست لهم حرمة الاسلام ولا یکون لہ قتلهم عامدا لهم متمیزین عارفا بهم فانما نهی عن قتل الولدان لانهم لم یبلغوا کفرا فیعلموا بہ وعن قتل النساء لانہ لا معنی فیهن لقتال وأنهن والولدان یتخولون فیکونون قوة لاهل دین اللّٰہ“

”اور ہم یہ نہیں سمجھتے کہ آپ ﷺ نے رخصت دی ہو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ،اور پھر بعد میں اس سے منع کردیا ہو۔ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت سے مراد ،ہمارے مطابق (واللہ اعلم)یہ ہے کہ قصداً اُ ن کونہ مارا جائے جبکہ وہ پہچانے جاسکتے ہوں تو اور ا ن میں تفریق کی جاسکتی ہو ان لوگوں میں سے جن کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے.........اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ (ھم منھم)”یہ انہی میں سے ہیں“کا مطلب یہ ہے کہ ان میں دو خصوصیا ت ہیں،ایک یہ کہ ان پر ”ایمان “ کا حکم نہیں ہے (یعنی مسلمان نہیں ہیں)جس سے ان کا خون حرام ہوجائے،اور نہ ہی ان پر دارالاسلام میں رہنے کا حکم لگتا ہے جس سے ان کے گھروں پر حملہ کرنے کی ممانعت ہواور اسی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے رات کے حملو ں کی اجازت دی اور ان کے گھروں پر حملے کی جب انہوں نے حملہ کیا بنی مصطلق پر اس وقت جب وہ غافل تھے.اور یہ بات طے شدہ ہے کہ رات کے حملے اور چھاپوں‌کی اجازت جو اللہ کے رسول ﷺ کی اجازت سے تھے اس میں یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی رات کو حملہ کرے اور چھاپہ مارے بغیر عورتوں اور بچوں کو قتل کئے بغیر.........تو جو گناہ ،کفارہ اور دیت اور قصاص ان پر لاگو نہیں ہوتا ان کے حوالے سے جن پر حملہ کیا گیا ہے۔اگر رات کے حملے اور چھاپوں کی اجازت ہو اور ان کو اسلام کی حرمت (امان)حاصل نہیں ہے،اورایسانہیں ہوتا کہ ان کو قصداً مارا جائے جب ان کو پہچانا جاسکتا ہو یا ان کی تفریق کی جاسکتی ہواور رہا بچوں کے قتل کرنے کا ممانعت کا معاملہ تو وہ ممانعت اس لئے ہے کہ وہ ابھی کفر پر بالغ نہیں ہوئے ہیں اور اس پر عمل نہیں کیا جس وجہ سے ان کو قتل کیا جاسکے ،اور اسی طرح عورتوں کا معاملہ ہے کیونکہ ان میں جنگ کی طاقت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ وہ (عورتیں)اور بچے غنیمت ہیں اور جو کہ ایک اضافی قوت ہوسکتی ہے اللہ بزرگ وبرتر کے دین کے ماننے والوں کے لئے۔“

(الرسالة:۲۹۹)

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ وہ احادیث جن میں بچوں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت آئی ہے اور جن احادیث میں ان کے قتل کی اجازت دی ہے ،ان میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اگر ہم ان ساری احادیث کو جمع کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دراصل جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی نیت سے ان پر حملہ کیا جائے ۔البتہ اگر وہ ضمناً مارے جائیں ،مثلاً شب خون یا چھاپہ مار کاروائی کی صورت میں ،یا جب ان میں اور مقاتلین میں تمیز کرنا ممکن نہ ہو ،پھر انہیں قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں،کیونکہ عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے جہاد معطل نہیں کیا جاسکتا“۔

(”حکم استخدام أسلحہ الدمار الشامل ضد الکفار “باب دوم للشیخ ناصر بن فهد)

لہٰذا عورتوں اور بچوں کے قتل کے جواز کی علت،دشمن کے دفاع کو کمزور کرنا ہی ہے۔جیسا کہ عورتوں اور بچوں

کے قتل کے جواز کی تمام نصوص(دلیلوں)سے واضح ہے(اور جن کا ذکر آئے گا)۔سو دشمن کی طاقت کے اسٹریٹجک مراکز کو نشانہ بنانے کے سبب عورتوں اور بچوں کا قتل ہونا۔ یہ اچانک حملے الغارہ برابر ہے۔کیونکہ وہ علت جس کی وجہ سے اچانک حملے(الغارہ)میں کفار کے عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہوا۔ آج بھی وہی (علت)دشمن کے اسٹریجیٹک مراکز کی ایک بڑی شکل کی صورت میں موجود ہے،جس کی مصلحت صرف جنگجوؤں کے قتل سے بڑھ جاتی ہے۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ مام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''لَا بَأْسَ بِالْبَيَاتِ،وَهَلْ غَزْوُ الرُّومِ الَّا الْبَيَات،قَالَ:وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا كَرِهَ بَيَاتَ الْعَدُوِّ ''

''شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے،کیا روم پر حملہ شب خون کے سوا کچھ بھی تھا ؟''نیز آپ رحمۃ اللہ نے یہ بھی فرمایا:''ہمارے علم میں نہیں کہ کسی نے دشمن پر شب خون مارنے کو ناپسند کیا ہو''۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۱،رقم:۷۵۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ ھی امام احمد حنبل رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

''لَا بَأْس بِالْبَيَاتِ وَلَا أَعْلَم أَحَدًا كَرِهَهُ''

''رات کے وقت ان(کفار)پر شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ کسی (عالم)نے بھی اس بات سے اختلاف کیا ہو''۔

(فتح الباری لابن حجر،ج۹،ص:۲۲۳۔باب اہل الداریبیتون فیصاب)

<<<<<دوسری صورت>>>>>>

کفار کے عورتوں ،بوڑھوں اور بچوں کا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی بھی طرح شریک ہونا

اُن معصوم الدّم لوگوں یعنی عورتوں،بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کہ جن کا قتل کرنا حرام ہے،اُنہیں اس حالت میں قتل کرنا جائز ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھالیں یا ایسے کام سرانجام دیں کہ جو لڑائی کے کاموں کے معاون بنیں۔خواہ یہ جاسوسی کرنے یا امداد دینے یارائے دینے یااسی طرح کے دوسرے کام ہوں۔

یہ (جواز)رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علت کو اُس حدیث میں بیان کرنے کی وجہ سے واضح ہے جواحمد اور ابوداؤد نے رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

((قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى شَيْئٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَامَ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ قَتِيلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هَذِهِ لِتُقَاتِلَ قَالَ وَعَلَى الْمُقَدِّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا))

''اُنہوں نے کہاکہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں(شریک)تھے،توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کوکسی چیز پر اکٹھے ہوتے دیکھاتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا دیکھو یہ لوگ کس چیز پر اکٹھے ہوئے ہیں۔تو وہ آدمی (واپس)آیا اورکہا،کہ ایک مقتول عورت پر،توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ،یہ تو لڑنے کی اہل نہ تھی ۔(راوی)کہتے ہیں کہ اس لشکر کے ہر اول دستے پر خالد بن ولید مامور تھے توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کوبھیجا اور فرمایا کہ:''خالد سے کہو کہ کسی عورت کو قتل کرے اور نہ کسی مزدورکو''۔

(سنن ابی داود،ج۷،ص۲۷۴،رقم الحدیث:۲۲۹۵)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ :

''فان مفهومه أنها لو قاتلت لقتلت''

''اس حدیث کامفہوم یہ ہے کہ اگر وہ لڑائی کرے تو قتل کیے جائیں گے''۔

(الفتح۶/۱۴۸)

امام النووی رحمۃ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھاہے کہ:

"أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَى الْعَمَل بِهَذَا الْحَدِيث،وَتَحْرِيم قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان إِذَا لَمْ يُقَاتِلُوا،فَإِنْ قَاتَلُوا قَالَ جَمَاهِير الْعُلَمَاء:يُقْتَلُونَ "
" علماء کااس حدیث پر عمل کرنے اور عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر اس صورت میں اجماع ہے کہ اگر وہ لڑائی نہ لڑیں۔اگر وہ بھی لڑیں تو جمہور علماء کا کہناہے کہ اس صورت میں اُنہیں قتل کیا جائیگا"۔

(شرح النووی،ج۶،ص۱۸۸،رقم:۳۲۸۰)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان :

((انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوا وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ))

"اللہ کانام لے کر نکلو،اور اس اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوتے ہوئے،اور بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو قتل کرو اور نہ بچے کو اور نہ چھوٹے کو اورنہ عورت کو ،اور غنیمتوں میں خیانت نہ کرو،اور اپنی غنیمت کو اکٹھاکرو،اور اصلاح کرو۔،بلاشبہ نیکی کرنے والوں کو اللہ پسند کرتاہے"۔

(سنن ابی داود،ج۷،ص۱۹۵،رقم الحدیث۲۲۴۷)

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان:

"وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا "

"اور کسی بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو قتل نہ کرو "۔

کی شرح کرتے ہوئے عون المعبود کے مؤلف فرماتے ہیں کہ:

"أَيْ إِلَّا إِذَا كَانَ مُقَاتِلًا أَوْ ذَا رَأْي،وَقَدْ صَحَّ أَمْره عَلَيْهِ السَّلَام بِقَتْلِ درید بن الصمة،وَكَانَ عُمْره مِائَة وَعِشْرِينَ عَامًا أَوْ أَكْثَر،وَقَدْ جِيءَ بِهِ فِي جَيْش هَوَازِن لِلرَّأْيِ الظَّاهِر أَنَّهُ بَدَل أَوْ بَيَان أَيْ صَبِيًّا دُون الْبُلُوغ وَاسْتُثْنِيَ مِنْهُ مَا إِذَا كَانَ مَلِكًا أَوْ مُبَاشِرًا لِلْقِتَالِ أَيْ اذَا لَمْ تَكُنْ مُقَاتِلَة أَوْ مَلِكَة"

" یعنی،مگر یہ کہ وہ لڑنے والا ہویا(دشمن کو)رائے دینے والا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درید بن الصمۃ کو قتل کرناصحیح حدیث سے ثابت ہے ،حالانکہ اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی یا اس سے زیادہ تھی،اس لئے کے اُسے ہوازن (قبیلے)کے لشکر میں رائے دینے کے لئے لایا گیا تھا. اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ نہ بچے کو نہ چھوٹے کواس سے اُسے مستثنیٰ کیا گیا ہے جو بادشاہ ہو یا لڑائی میں براہ راست حصہ لینے والا ہو۔ نہ کسی عورت کو یعنی اگر وہ لڑنے والی نہ ہو یا ملکہ نہ ہو"۔

(عون المعبود،ج۶،ص۳۷،رقم:۲۲۴۷)

امام الزیلائی رحمۃ اللہ رماتے ہیں :

"فَإِذَا كَانَ يَجُوزُ قَتْلُ صِبْيَانِ الْمُشْرِكِينَ لِمَصْلَحَةِ الْمُسْلِمِينَ فَقَتْلُ شُيُوخِهِمْ أَوْلَى اذَاكَانَ فِيهِ مَصْلَحَةٌ بِأَنْ كَانَ مَلِكًا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَصْلَحَةٌ لَا يُقْتَلُ الَّا اذَا قَاتَلَ فَيُقْتَلُ دَفْعًا"

"اگر اس کی اجازت ہے کہ مشرکین کے بچوں کو قتل کیا جائے مسلمانوں کی مصلحت کے لئے تو بوڑھوں کو قتل کرنے کی اجازت اس سے بھی زیادہ جائز ہے اگر یہ کرنے سے فائدہ ہوجیسے وہ اگر بادشاہ ہو۔مگر جب فائدہ نہ ہو تب ان کو نہیں قتل کرنا چاہئے الا یہ کہ وہ لڑیںتو اس صورت میں ان کو قتل کرنا چاہئے،تاکہ ان کے (نقصان)سے بچا جاسکے" ۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق،ج۹،ص۲۸۱۔کتاب السیر)

فقہاء نے ایسی عورت کے قتل کے جواز کا کہاہے کہ جو مسلمانوں کیخلاف لڑائی میں جنگجوؤں کی مادی یا معنوی کسی بھی قسم کی اعانت کرے ۔ اُنہوں نے اس کیلئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابن ماجہ میں مروی حدیث سے استدلال کیا ہے،کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو ایک عورت قلعے پرچڑھی اور اس نے مسلمانوں کے سامنے اپنی شرمگاہ کو ننگا کردیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ھا دونکم فارموھا))

" یہ تمہارے سامنے ہے اسے تیر مارو"۔

تو(صحابہ کرام)نے اُسے تیر مارا اور اُسے قتل کرڈالا۔اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر پھر فقہاء نے اس حدیث سے ایسی عورت کے قتل کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جو کہ اگر چہ لڑائی نہ کرے مگر (مسلما نوں کے خلاف)جنگ کرنے والوں کی کسی قول یا فعل سے اعانت کرے تو اُسے قصداً قتل کرناجائزہے۔

یہ شرعی حکم ہے ان لوگوں کا کہ جو جنگ میں کفارکی اعانت کرتے ہیں اور یہ معصوم الدم یعنی عورتیں،بچے،بوڑھے اور جو کوئی ان کے حکم میں ہو جنہیں آج کے اس دور میں ’’عام شہری ‘‘کہاجاتاہے۔

لہٰذاآج کفار کے ممالک کے عوام فیصلہ کرنے والوں اور اہل رائے میں شمارہوتے ہیں خواہ یہ رائے عسکری ہو یا سیاسی کیونکہ کفار کے ممالک کی انتظامیہ جن رائے عامہ کی بنیاد پر فیصلے کرتی ہے وہ اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ بلاشبہ ان کی عوام ہی اپنے براہ راست ووٹوں کے ذریعے اور پارلیمنٹ میں اپنے نمائندوں کے ووٹوں کے ذریعے بالواسطہ طور پرفیصلے کرتے ہیں۔لہٰذا رائے عامہ سے پتہ چلتاہے کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسلام دشمنی کے ان کے سیاسی فیصلوں میں ان کی عوام کا بہت بڑا حصہ ہوتاہے۔

لہٰذا ہر جگہ ان کفار کے ممالک کے عوام کو خواہ جو اپنے ہاتھ سے لڑے یا اپنی رائے سے لڑائی(اپنی حکومت)کی اعانت کرے، نشانہ بنانا،ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ چونکہ یہ ان کے عوام کی غالب اکثریت کی حالت ہے اس لئے شرعی حکم بھی غالب اکثریت کی بناء پر عام ہوتاہے۔

- -

<<<<تیسری صورت>>>>>

جب دشمن پر عام تباہی مسلط کرنا مقصود ہو

عورتوں ،بچوں اوربوڑھوں کے قتل کے جواز کی حالتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب دشمن کے قلعوں کو فتح کرنے کیلئے مسلمانوں کو انہیں جلانے یا پانی میں غرق کرنے یا ان میں زہر پھیلانے یا اُن میں دھواں پھیلانے یاان میں سانپ،بچھو اور زہریلے کیڑے مکوڑے چھوڑنے کی ضرورت پڑے خواہ اس کے نتیجے میں معصوم لوگ ہی مارے جائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے یہ حدیث نقل فرمائی کہ:

((بَاب حَرْقِ الدُّورِ وَالنَّخِيلِ:عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ حَرَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ))

’’کھجور کے درختوں اورگھروں کا جلانے کا باب۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالا‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۰،ص۲۱۹،رقم الحدیث:۲۷۹۸)

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَاأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾))

’’ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالااور کاٹ ڈالابویرہ نامی زمین میں۔پس اللہ تعالی نے یہ (آیت)نازل کی:’’تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا ۔یہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو رسوا کرے‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۵،ص۱۵۱،رقم الحدیث:۴۵۰۵)

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قَرْيَةٍ يُقَالُ لَهَا أُبْنَى فَقَالَ ائْتِ أُبْنَى صَبَاحًا ثُمَّ حَرِّقْ))

’’حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺنے انہیں ’’اُبنیٰ‘‘(یایبنیٰ) نامی سرزمین کی طرف بھیجا اور فرمایا :’’صبح وہاں جاؤ،پھر اس (بستی)کو جلاڈالو‘‘۔

(مسند احمد،ج۴۴ص۲۵۶،رقم الحدیث:۲۰۷۸۶۔سنن ابن ماجۃ،ج۸ص۳۶۸،رقم الحدیث:۲۸۳۳)

امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ نے فرمایا:

’’أُبنی ویُبنی:اسم موضع بین عسقلان والرملة من أرض فلسطین‘‘
’’اُبنی اور یُبنی:سرزمین پر الرملہ اور عسقلان کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔
(جامع الاصول ۲/۶۱۷)

لہٰذا دشمن کو جلانا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ یہ تومعلوم ہی ہے کہ بلاشبہ آگ جلانے سے کئی معصوم لوگ بھی قتل ہوجاتے ہیں اور اسی طرح جانور اورکھیتیاں ہلاک ہوتی ہیں اور ان سب کو زندہ بچائے رکھنے کی مصلحت،انہیں ختم کرنے کی مصلحت سے کم تر ہے۔ کیونکہ شوکت وقوت والے دشمن کے قتل کرنیکی مصلحت،اُسکے علاوہ دوسروں کو(زندہ)چھوڑنے کی مصلحت سے زیادہ بڑی ہے۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ نے المغنی میں فرمایا:

’’وَقَدْ رَوَی حَمْزَةُ الْأَسْلَمِيُّ،أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّرَهُ عَلَى سَرِيَّةٍ ، قَالَ:فَخَرَجْت فِيهَا،فَقَالَ:((انْ أَخَذْتُمْ فُلَانًا،فَأَحْرِقُوهُ بِالنَّارِ))فَوَلَّيْت، فَنَادَانِي،فَرَجَعْت،فَقَالَ:((انْ أَخَذْتُمْ فُلَانًا،فَاقْتُلُوهُ،وَلَا تَحْرِقُوهُ؛فَإِنَّهُ لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ الَّا رَبُّ النَّارِ))رَوَاهُ أَبُو دَاوُد ،وَسَعِيدٌ .وَرَوَى أَحَادِيثَ سِوَاهُ فِي هَذَا الْمَعْنَى .وَرَوَى الْبُخَارِيُّ ،وَغَيْرُهُ ،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ حَمْزَةَ .فَأَمَّا رَمْيُهُمْ قَبْلَ أَخْذِهِمْ بِالنَّارِ،فَإِنْ أَمْكَنَ أَخْذُهُمْ بِدُونِهَا،لَمْ يَجُزْ رَمْيُهُمْ بِهَا ؛ لِأَنَّهُمْ فِي مَعْنَى الْمَقْدُورِ عَلَيْهِ ،وَأَمَّا عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْهُمْ بِغَيْرِهَا ، فَجَائِزٌ ، فِي قَوْلِ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ .وَبِهِ قَالَ الثَّوْرِيُّ،وَالْأَوْزَاعِيُّ ، وَالشَّافِعِيُّ.وَرَوَى سَعِيدٌ،بِإِسْنَادِهِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو ،وَحَرِيزِ بْنِ عُثْمَانَ أَنَّ جُنَادَةَ بْنَ أُمَيَّةَ الْأَزْدِيَّ ،وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ الْفَزَارِيَّ،وَغَيْرَهُمَا مِنْ وُلَاةِ الْبَحْرَيْنِ،وَمَنْ بَعْدَهُمْ،كَانُوا يَرْمُونَ الْعَدُوَّ مِنْ الرُّومِ وَغَيْرِهِمْ بِالنَّارِ، وَيُحَرِّقُونَهُمْ،هَؤُلَاءِ لِهَؤُلَاءِ ،وَهَؤُلَاءِ لِهَؤُلَاءِ .قَالَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ:لَمْ يَزُلْ أَمْرُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى ذَلِكَ .‘‘

’’حمزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ بلاشبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ایک دستے میں امیر بنایا۔(حمزہ)کہتے ہیں کہ میں اس (دستے)کے ساتھ نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم فلاں آدمی کو پکڑو تو اسے آگ سے جلا ڈالو ۔ (حمزہ کہتے ہیں کہ میں)جانے کے لئے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی،تو میں واپس لوٹ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ اگر تم فلاں کو پکڑو تواُسے قتل کرڈالو مگرجلانا نہیں کیونکہ آگ سے سوائے آگ کے رب کے اور کوئی نہیں جلاتا۔اسے ابوداؤد اور سعید نے روایت کیا اور (سعید)نے اس معنی کی اس کے علاوہ کئی احادیث بیان کی ہیں اور امام بخاریؒ وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حمزہ کی حدیث کی مانند روایت کی ہے۔لہٰذا ان کفار کوآگ سے جلائے بغیرپکڑنا ممکن ہوتو پھر انہیں جلانا جائز نہیں کیونکہ وہ اُن لوگوں کے حکم میں شامل ہوجاتے ہیں کہ جن پر غلبہ حاصل ہوتاہے۔ اگر اس (جلانے کے)بغیر انہیں پکڑنا ناممکن ہوتو اس صورت میں اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائزہے۔یہی موقف الثوریؒ،الاوزاعیؒاورالشافعیؒنے اختیار کیا ہے۔سعید نے اپنی اسناد کے ساتھ صفوان بن عمرو اورجریر بن عثمان سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ جنادہ بن امیہ الازدی اور عبداللہ بن قیس الفزازی اور اُن کے علاوہ بحرین کے حکمران اور ان کے بعد آنے والے(حکمران)رومی دشمنوں وغیرہ پر آگ پھینک کر انہیں جلاتے تھے، یہ انہیں اور وہ اُنہیں جلاتے۔عبداللہ بن قیس نے کہا کہ مسلمانوں کا معاملہ اسی طرح چلتارہا‘‘۔
(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۰،رقم:۷۵۷۳)

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں:

’’چنانچہ زیر بحث مسئلے میں بھی یہی اصول لاگو ہوگا کہ اگر مجاہدین اس نتیجے پر پہنچیں کہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کئے بغیر’’کفار کے شر ‘‘سے نجات پانا ممکن نہیں توان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہوگا،خواہ ایسا کرنے میں سب کے سب کفار مارے جائیں(یعنی وہ بھی جنہیں قصداً مارنا جائز ہے اورضمناً وہ بھی جنہیں مارنا اصلاًحرام ہے)‘‘۔
(’’حکم استخدام أسلحہ الدمار الشامل ضد الکفار ‘‘باب دوم للشیخ ناصر بن فھد)

>>>>>>چوتھی صورت<<<<<<

جب کفار پر سنگ باری کرنا مقصود ہو

جن حالتوں میں (کافر)جنگجوؤں کے معصوم وغیر معصوم کی پہچان نہیں رہتی،جیسے توپیں،ٹینک ،طیاروں کے بم اور اسی قسم کے دوسر ے اسلحہ کے استعمال کے دوران۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی اور اُن پر اس سے سنگ باری کی۔

’’أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ ‘‘

’’رسو ل اللہ ﷺنے اہل طائف کے خلاف منجنیق استعمال کی‘‘۔

(سنن الترمذی،ج۹،ص۴۲۸،رقم الحدیث:۲۶۸۶)

امام النووی رحمۃ اللہ نے المہذب میں کہا:

’’فصل ولا يجوز قتالهم بالنار والرمى عن المنجنيق الا لضرورة لأنه لا يجوز أن يقتل الا من يقاتل والقتل بالنار أو المنجنيق يعم من يقاتل ومن لا يقاتل وان دعت اليه الضرورة جاز كما يجوز أن يقتل من لا يقاتل اذا قصد قتله للدفع ‘‘

’’فصل:اُن سے آگ کے ساتھ لڑناجائز نہیں اورنہ منجنیق کے ماسوائے ضرورت کے کیونکہ صرف لڑنیوالے کو ہی قتل کرناجائز ہے۔جبکہ آگ یا منجنیق کے ذریعے لڑنے اورنہ لڑنے والے سب کا قتل عام ہوتاہے۔ البتہ ضرورت کے وقت یہ جائز ہے۔ جیسا کہ غیر جنگجو کو دفاع کے لئے قتل کرناجائزہے‘‘۔

جبکہ امام احمد رحمۃ اللہ س کے مطلقاً استعمال کے جواز کے قائل ہیں یعنی ضرورت یا بلاضرورت۔

(المہذب۲/۲۱۹)

المبدع کے مؤلف نے فرمایا:

’’ورميهم بالمنجنيق نص عليه......أحمد......((لأنه ﷺنصب المنجنيق على أهل الطائف))رواه الترمذي مرسلا ونصبه عمرو بن العاص على الاسكندرية ولأن الرمى به معتاد كالسهام وظاهره مع الحاجة وعدمها وفى المغنى هو ظاهر كلام الامام وقطع المياه عنهم وكذا السابلة وهدم حصونهم وفى المحرر والوجيز والفروع هدم عامرهم وهو أعم لأن القصداضعافهم وارهابهم ليجيبوا داعى اللّٰہ ‘‘

’’اُنہیں منجنیقوں کے ذریعے نشانہ بنانا۔اس پر امام احمدبن حنبل رحمۃ اللہ نے جواز کا فتوی دیا ہے۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی۔اسے الترمذی نے مرسل روایت کیا اور عمرو بن العاص نے اسے اسکندریہ پر نصب کیا۔ چونکہ اس کے ساتھ سنگ باری عام تھی جیسا کہ تیروں کا استعمال عام تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ضرورت اور بغیر ضرورت کے وقت استعمال ہوتاتھا اور المغنی میں امام احمد بن حنبل کایہ کلام ظاہرکرتا ہے کہ اُن(کافروں)سے پانی روکنا، اسی طرح ان کا راستہ روکنا اور ان کے قلعوں کوڈھانا، اور المحرر الوجیزاور الفروع نامی کتابوں میں ہے کہ اُنکی بستیوں کو منہدم کرنا اور یہ زیادہ جامع (لفظ)ہے۔ کیونکہ مقصد ان کو کمزور کرنا اور انہیں دہشت زدہ کرنا ہے تاکہ وہ اللہ کے داعی پر لبیک کہیں‘‘۔

(المبدع،۳/۳۱۹)

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ نے المغنی میں کہا :

’’وَيَجُوزُ نَصْبُ الْمَنْجَنِيقِ عَلَيْهِمْ .وَظَاهِرُ كَلَامِ أَحْمَدَ جَوَازُهُ مَعَ الْحَاجَةِ وَعَدَمِهَا ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ.وَمِمَّنْ رَأَى ذَلِكَ الثَّوْرِيُّ،وَالْأَوْزَاعِيُّ،وَالشَّافِعِيُّ،وَأَصْحَابُ الرَّأْيِ.قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ:جَاءَ الْحَدِيثُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ .وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ،أَنَّهُ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الْإِسْكَنْدَرِيَّةِ.وَلِأَنَّ الْقِتَالَ بِهِ مُعْتَادٌ،فَأَشْبَهَ الرَّمْيَ بِالسِّهَامِ ‘‘

’’ان (دشمنوں)پر منجنیق نصب کرنا جائز ہے۔امام احمد بن حنبل کے کلام سے اس کی ضرورت اور غیرضرورت دونوں صورتوں میں جواز ظاہر ہوتاہے۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی تھی اور یہی رائے الاوزاعی اور الشافعی اور اہل رائے کی ہے۔ابن المنذر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی۔ عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ انہوں نے اسکندریہ والوں پر منجنیق نصب کی اور چونکہ اس کیساتھ لڑائی عام تھی ،سو اُسے تیروں سے مشابہ سمجھا گیا‘‘۔

(المغنی،ج ۲۱،ص۱۰۱)

سوفقہاء کرام درج بالا کلام سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بعض فقہاء کرام نے منجنیق کے ذریعے کافروں کے عورتوں اور بچوں جیسے معصوموں کے قتل کی اس صورت میں اجازت دی ہے کہ جب اُن پر منجنیق کے ذریعے سنگ باری کی ضرورت ہو۔چنانچہ یہ ایسا آلہ تھا کہ جو سابقہ وقتوں میں بڑے بڑے پتھرپھینکنے کے لئے استعمال ہوتاتھا اور بعض اوقات یہ پتھر آگ کے شعلے پکڑے ہوئے ہوتے۔رہا یہ کہ گھروں کو جلانا اور منہدم کرنا اور ان میں موجود افراد کو قتل کرنا، تو فقہاء کی طرف سے اس اسلوب کی اجازت صرف اس مصلحت کی بنیاد پرتھی کہ اس سے یہ قلعہ فتح ہونے کی امید ہو، خواہ اس کے نتیجے میں عورتیں اور بچے ہی قتل ہوں۔ لہٰذا جو مصلحت ایک قلعے کی فتح کیلئے موجود تھی یعنی منجنیق کے ذریعے ان کی رہائش گاہوں پر سنگ باری کرنا،تو کیا یہی مصلحت مسلمانوں پر حملہ آور کفار کے ممالک کے اقتصادی،عسکری اورسیاسی طاقت کے مراکز کے تباہ کرنے میں نہ ہوگی۔تاکہ وہ مسلمانوں کے حصار اور ان کے قتل سے باز آجائیں، خواہ اس کا شکار عورتیں اور بچے ہی بنے؟ کیوں نہیں!مسلمانوں کے دین و دنیا کی محافظت ہی یہ تو سب سے بڑی مصلحت ہے اور اگر اس جیسی مصلحت صرف اسی طریقے سے حاصل ہو سکتی تو پھراس کے جوازکیا شک و شبہ رہ جاتا ہے۔

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

''چنانچہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ دشمن کے خلاف منجنیق اور ایسے ہی دیگر ذرائع کا استعمال جائز ہے،اور یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ منجنیق سے برسائے جانے والے پتھر عورتوں ،بچوں اور بالغ مردوں کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کرڈالتا ہے۔یہ امر اس بات پر دلالت کرتاہے کہ اگر مجاہدین کے اہل حل وعقد کے نزدیک کفار کے علاقوں کو تباہ کرنا اور کفار کو قتل کرنا ''تقاضائے جہاد''ہو تو ایساکرناجائز ہے کیونکہ (رسول اللہ ﷺ،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعدکے ادوارمیں)مسلمان ،کفار کی آبادیوں پر منجنیق کے گولے برساتے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ علاقہ فتح ہوجاتا ۔مسلمانوں کو کبھی کفار کی جڑ کٹنے اور ان کے علاقے تباہ ہونے کے خدشے نے ایسا کرنے سے نہ روکا۔واللہ اعلم بالصواب''۔

(''حکم استخدام أسلحہ الدمار الشامل ضد الکفار ''باب دوم للشیخ ناصر بن فھد)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ ن منجنیق کو ہر عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وقیس بہ ما فی معناہ مما یعم الاھلاک بہ''

''اور منجنیق ہی پر قیاس کئے جائیں گے اسی جیسے دیگر ذرائع جوکہ ''عام ہلاکت''پھیلانے کا سبب بنتے ہیں''۔

(أسنی المطالب،ج۴،ص۱۹۱)

امام ابن حجر الہیثمی رحمۃ اللہ کا یہ جملہ بھی قابل غو رہے:

''وقتلھم بما یعم''

''کفار کو ایسے طریقے سے قتل کرنا (جائز ہے)جو عام ہلاکت پھیلانے کا باعث بنے''۔

(''حکم استخدام أسلحہ الدمار الشامل ضد الکفار ''باب دوم للشیخ ناصر بن فھد)

<<<<پانچویں صورت>>>>

جب کفار اپنی عورتوں اور بچوں کوہی ڈھال بنالیں

اس حالت میں بھی معصوم لوگوں کا قتل جائز ہوتاہے کہ جب کفار انہیں اپنے لئے ڈھال کے کے طور پر استعمال کریں۔ یعنی اگر کفار اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے لئے ڈھال بنائیں تواُن پر سنگ باری (فائرنگ ،گولہ باری وغیرہ)کرنا جائز ہے۔ جنگجوؤں کو نشانہ بناتے ہوئے خواہ عورتیں اور بچے ہلاک ہوجائیں تو بھی جائز ہے۔مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ اس کی ضرورت ہو ، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کا دلی ارادہ جنگجو ہو کو نشانہ بنانے کا ہو ،نہ کہ معصوم لوگ۔

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ نے المغنی میں فرمایا :

”فَصلٌ:وَإنْ تَتَرَّسُوا فِی الْحَرْبِ بِنِسَائِهِمْ وَصِبْيَانِهِمْ،جَازَ رَمْيُهُمْ،وَيَقْصِدُ الْمُقَاتِلَةَ؛(لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيقِ وَمَعَهُمْ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ)،وَلِأَنَّ كَفَّ الْمُسْلِمِينَ عَنْهُمْ يُفْضِی الَی تَعْطِيلِ الْجِهَادِ ،لِأَ نَّهُمْ مَتَى عَلِمُوا ذَلِکَ تَتَرَّسُوا بِهِمْ عِنْدَ خَوْفِهِمْ فَيَنْقَطِعُ الْجِهَادُ.وَسَوَاءٌ كَانَتْ الْحَرْبُ مُلْتَحِمَةً أَوْ غَيْرَ مُلْتَحِمَة ؛لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتَحَيَّنُ بِالرَّمْيِ حَالَ الْتِحَامِ الْحَرْبِ .“

”فصل:اگروہ (دشمن)جنگ میں اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو ڈھال بنائیں تو جنگجوؤں کے ارادے سے اُن پر سنگ باری وغیرہ کرنا جائز ہے۔اسی لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پرمنجنیق کے ذریعے (سنگ باری) کی حالانکہ انکے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اس لئے بھی کہ اس صورت میں مسلمانوں کا ان سے رک جانے سے جہادمعطل ہوجائے گا۔ اس لئے وہ جب بھی یہ جانیں گے تو خوف کے وقت ان(عورتوں،بچوں)کو ڈھال بنالیا کریں گے۔ تو یوں جہاد ختم ہوجائے گا خواہ جنگ بھڑکی ہوئی ہو یا نہیں ۔کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (منجنیق سے) سنگ باری کرنے کے لئے جنگ بھڑکنے کا انتظار نہیں کرتے تھے“۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۳،رقم:۷۵۷۷)

امام الانصاری الشافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا:

”وحرم اتلاف لحیوان محترم لحرمتہ وللنھی عن ذبح الحیوان لغیر مأکلہ، الا لحاجۃ کخیل یقاتلون علیھا فیجوز اتلافھا لدفعھم أو للظفر بھم،کما یجوز قتل الذراری عندالتترس بھم بل أولی “

”کسی حرمت والے جانور کو اسکی حرمت کی وجہ سے ہلاک کرنا حرام ہے اور کسی جانور کو کھانے کی نیت کے بغیر نہی(منع ہونے)کی وجہ سے ذبح کرنا حرام ہے،ماسوائے ضرورت کے جیسے ایسے گھوڑے کہ جن پر وہ(دشمن)لڑتے ہیں۔ تو اُن پر کامیابی اور انہیں پیچھے دھکیلنے کے لئے ان (گھوڑوں)کا ہلاک کرنا جائز ہے جیساکہ بچوں کو ڈھال بنائے جانے پر انہیں قتل کر جائز ہے بلکہ زیادہ مناسب ہے“۔

(فتح الوھاب،ج۲،ص۳۰۱)

امام الشربینی الشافعی رحمۃ اللہ نے اِن جانوروں کے قتل کے جواز کا سبب ذکر کرنے کے بعد اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا :

”مَا يُقَاتِلُونَا عَلَيْهِ أَوْ خِفْنَا أَنْ يَرْكَبُوهُ لِلْغَدْرِ كَالْخَيْلِ فَيَجُوزُ اتْلَافُهُ (لِدَفْعِهِمْ أَوْ ظَفَرٍ بِهِمْ)؛لِأَ نَّهَا كَا لْآ لَةِ لِلْقِتَالِ،وَاِذَا جَازَ قَتْلُ النِّسَاء وَالصِّبْيَانِ عِنْدَ التَّتَرُّسِ بِهِمْ فَالْخَيْلُ أَوْلَى،وَقَدْ وَرَدَ ذَلِکَ فِی السِّيَرِ مِنْ فِعْلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ“

”جن پر وہ سوار ہوکر ہم سے لڑتے ہیں یا ہمیں ڈر ہوکہ کل وہ ان پر سوار ہوں گے جیسے گھوڑے ہیں تواُن کے خلاف کامیابی حاصل کرنے اور ان سے دفاع کیلئے انہیں (گھوڑوں)کوہلاک کرنا جائز ہے کیونکہ یہ لڑائی کی مانند ہیں اور جب عورتوں اور بچوں کو ڈھال بنائے جانے پر قتل کرنا جائز ہے تو گھوڑوں کا ہلاک کرنا تو زیادہ مناسب ہے اور یہ کام صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعل میں سے ہے“۔

(مغنی المحتاج،ج۱۷ص۳۲۰)

ایک اہم تنبیہ :

یہاں پر ایک اہم مسئلہ کی تنبیہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہاں شرعی حکم میں ڈھال بنائے جانیوالے مسلمانوں یا کفار کے معصوم لوگوں جیسے عورتوں اور بچوں میں فرق ہے۔ لہٰذااگر ڈھال مسلمانوں کی بنائی گئی ہے تو اس صورت میں دشمن پر گولہ باری۔فائرنگ وغیرہ صرف ایسی ضرورت کے وقت کی جائے گی کہ جب ان کفار پر فائرنگ نہ کرنے کا نقصان،ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کے قتل کے نقصان سے زیادہ بڑانہ ہو۔ جیسے دشمن کی جانب سے مسلمانوں کی زمین کی طرف پیش قدمی اور پھر ڈھال بنائے گئے مسلمانوں سے زیادہ دوسرے مسلمانوں کے قتل کا خدشہ ہو،یا مسلمانوں کے لشکرمیں سے کئی کے قتل ہونے اور ان کی طاقت ٹوٹنے اور یوں مسلمانوں کے معاملے کے ختم ہوجانے کا خدشہ ہو جبکہ اصلاً صورتحال کے پیش نظر ضرورت کا اندازہ لگایا جائے گا۔

رہا مسئلہ اس حالت کہ جس میں کفار کے بچوں اور عورتوں کو ڈھال بنایا گیا ہو تو معاملہ درج بالاحالت سے ہلکا

ہے،کیونکہ کفار کے بچوں اور عورتوں کی عصمت،مسلمان کے خون کی عصمت سے کم تر ہے۔ لہٰذاپہلی صورت (یعنی مسلمانوں کا نشانہ بن جانا)شدید ترین ضرورت کے وقت مباح ہوگی جبکہ دوسری صورت(کفارکی عورتوں اور بچوں کا نشانہ بن جانا) ادنیٰ ضرورت کے تحت بھی مباح ہوجائے گی۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الصعب بن جثامہ کی حدیث میں مشرکوں کی ذریت کے قتل کی اجازت دی تو فرمایا کہ

((ھم منھم))

”وہ انہی میں سے ہیں“۔

مگر آپﷺ نے اس حالت کی تفصیل نہیں پوچھی کہ جس نے انہیں اس پر مجبور کیا اور نہ اس کیلئے کوئی ضابطہ بنایا۔ اس علم کے ساتھ کہ نبی ﷺکے زمانے میں رات کے وقت کے حملوں اور اچانک حملوں کی ہمیشہ ضرورت نہیں ہوتی تھی جیساکہ صحیحین میں انس سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا غَزَا قَوْمًا لَمْ يُغِرْ حَتَّى يُصْبِحَ فإِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَكَ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ بَعْدَ مَا يُصْبِحُ))

”رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر حملہ کرتے تو صرف صبح ہونے پر ہی حملہ کرتے تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان سنتے توحملہ نہ کرتے اور اگر اذان نہ سنتے تو صرف صبح طلوع ہونے کے بعد حملہ کرتے“۔

(صحیح البخاری،ج۱۰،ص۹۵،رقم الحدیث:۲۷۲۵)

بخاری کی ایک روایت میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

((كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا))

”جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ غزوہ کرتے“۔

تویہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رات کے وقت حملے اور اچانک حملے کی ضرورت نہ ہوتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے بعد ہی حملہ کرتے اور انس رضی اللہ عنہ کا قول کہ” جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ غزوہ کرتے“۔اس بات پر دلالت کرتاہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوقات ک

پیرس کی بابت::::::

شبہ: چند کفار کی جرائم کی سزاان کی پوری قوم سے لینا

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ :

” تم لوگ ان کفارکی عورتوں اور بچوں کو کیسے قتل کرسکتے ہو کہ جنہوں نے یہ کام مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا ہو؟ تم اس شخص سے انتقام کیونکر لے سکتے ہو کہ جس نے یہ کام کیا ہی نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:﴿وَلا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾(الاسراء :۱۵)”اور کوئی گناہ کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“۔

جواب:

سب سے پہلے مذکورہ بالا شبہے میں دلیل کے طور پر پیش کی جانے والی آیت کے بارے میں سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس آیت کا اصل محل و مقام کیا ہے؟امام ابن کثیر رحمۃ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں :

”اخبار عن الواقع یوم القیامۃ فی جزاء اللّٰہ تعالی وحکمہ وعدلہ،أن النفوس انما تجازی بأعمالھا“

”اور یہ آیت ہمیں بتا رہی ہے کہ یہ اُس صورتِ حال کے حوالے سے جو آخرت کے دن ہوگی،اللہ کے بدلے کے متعلق اور اس کے فیصلے اور انصاف (کے متعلق)کے جانوں کو اجر (اچھایا برا)ان کے عمل کی بنیاد پر دیا جائے گا ۔“

(تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۳۸۴)

اورامام قرطبی رحمۃ اللہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئےفرماتے ہیں:

”ویحتمل أن یکون المراد بھذہ الآیۃ فی الآخرۃ،وکذلک التی قبلھا، فأما التی فی الدنیا فقد یؤاخذ فیھا بعضھم بجرم بعض،لا

سیما اذا لم ینہ الطائعون العاصین‘‘

’’یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ آیت آخرت سے متعلق ہے جیسا کہ اس سے پہلے والی آیت مگر جہاں تک اس دنیا کی بات ہے تو یقینا کچھ لوگوں کودوسروں کے جرائم کی سزا بھی ملتی ہے خاص طور پر اگر نیک لوگ فاسق لوگوں کو نہیں روکتے‘‘۔

(تفسیر القرطبی،ج۷،ص۱۵۷)

چنانچہ امام المجاہدین شیخ یوسف العیری رحمۃ اللہ درج بالا شبہ کا بڑ ی خوبصورتی سے رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’وھذا الایراد باطل و ینتقض حتی لو قلناہ علی المقاتلة فکیف یقاتل النبیﷺمقاتلة قریش والذی نقض العھد ھم بنی بکر بن وائل أو قادة قریش۔وکیف یقتل النبی ﷺرجال وشیوخ وأجراء بنی قریظة وھم لم ینقضوا العھد بل نقضہ کبراؤھم وأھل الرأی منھم فقتل بجریرتھم سبعمائة نفس،واسترق من بقی۔ وأیضاً کیف یجیز العلماء المثلة مطلقاً برجال العدو ولم یشترطوا أن تکون المثلة بالفاعل؟ولو أن رجلاً قتل آخر فلماذا تتحمل عاقلتہ الدیة ویغرمون والذی ارتکب الجنایة فرد منھم وھم لم یشارکوہ ورغم ذلک تحملوا جریرتہ؟وفی مسألة القسامة أیضاً کیف یجیز الشرع لخمسین رجلاً من أولیاء المقتول الذین لم یشھدوا القتل،علی أن یقسموا علی رجل مشتبہ بہ بأنہ قتل ولیھم ثم یدفع لھم برمتہ لیقتلوہ ؟کیف یُقتل فی ھذہ الحالة والادانة ھنا لم تکن مؤکدة بالطبع کما ھی فی حالة الاقرار أو الشھود ؟‘‘

’’یہ شبہ باطل اور غلط ہے حتی کہ اگرچہ ہم اسے جنگجوؤں پر ہی لاگو کریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے جنگجوؤں سے لڑتے تھے جبکہ جنہوں نے معاہدہ توڑا تھا وہ تو بنی بکربن وائل یاقریش کے سردار تھے،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے مردوں، بوڑھوں اور ان کے مزدوروں سے لڑتے تھے جبکہ انہوں نے تو معاہدہ نہیں توڑاتھا بلکہ اُن کے بڑوں اور ان کے اہل رائے لوگوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جرم کی وجہ سے سات سوجانوں کو قتل کیا اور جو بچ گئے انہیں غلام بنالیا۔ اسی طرح علماء دشمن کے لوگوں کا مُثلہ کرنے کو مطلق طور پر جائز قراردیتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ شرط نہیں لگاتے کہ مثلہ صرف فاعل کا کیا جائے گا۔اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو قتل کردیتا ہے تو اس کا خاندان اس کی جانب سے دیت کا بوجھ کیوں اٹھاتا ہے اور اُن پر جرمانہ کیوں عائد کیا جاتا ہے جبکہ جس نے جرم کا ارتکاب کیا وہ تو اُن میں سے ایک فرد تھا اور وہ اس کے ساتھ شامل بھی نہ ہوئے تھے مگر اس کے باوجود اس کے جرم کی سزابھگت رہے ہیں؟اور اسی طرح قسم اٹھانے کے مسئلے میں بھی شرکت نے مقتول کے ورثاء میں سے ایسے پچاس لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے قتل دیکھا بھی نہیں ،جائز قراردیا کہ وہ ایک مشتبہ آدمی کے بارے میں قسم اٹھائیں کہ اس نے ان کے آدمی کو قتل کیا ہے پھر اسے ان کے حوالے کردیا جاتا ہے تاکہ وہ اسے قتل کردیں اس حالت میں کہ جبکہ یہاں تہمت یقینی نہیں تھی جیساکہ اقرار(جرم)یا گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے‘‘۔

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۲۵)

پھر شیخ یوسف العیری رحمۃ اللہ ایک حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’وجاء فی الصحیحین کذلک من رافع بن خدیج رضی اللّٰہ عنہ قال کنا مع النبیﷺبذی الحلیفة من تھامة فأصبنا غنما وابلا فعجل القوم فأغلوا بھا القدورفجاءرسول اللّٰہ ﷺ ((فأمربھافأکفئت))، فکیف یعاقب الرسولﷺ ھؤلاء باتلاف اللحم وھو من الغنائم التی لم تقسم بعد وللجیش جمیعاً حق فیہ،والذی اعتدی ھم الذین أغلوا بھا القدور فقط،فلم تکون العقوبة جماعیة ؟قال ابن حجر فی الفتح ’’وحمل البخاری الاکفاء علی العقوبة بالمال وان کان ذلک المال لا یختص بأولئک الذین ذبحوا ،لکن لما تعلق بہ طمعھم ،کانت النکایة حاصلة لھم ‘‘.

’’ اور صحیحین میں رافع ابن ِ خدیج کی حدیث میں واقعہ آیا ہے کہ ’’ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے ذی الحلیفہ التہامہ میں جب ہمیں(کفارکے) کچھ بکرے اور اونٹ ملے تو لوگوں نے جلدی سے(ذبح کرکے)انہیں اپنی دیگچیوں میں پکالیا ،تو رسول ﷺآئے اور حکم دیا کہ ان کو الٹادیا جائے ‘‘تو کیسے رسول ﷺنے سزا دی ان کو گوشت کو ضائع کر کے جب کہ یہ مال ِ غنیمت میں سے تھا جو اب تک تقسیم نہیں ہوا تھا ۔ جبکہ پورے لشکر پر اس کا حق تھا ۔اور زیادتی صرف انہوں نے کی جنہوں نے اسے دیگچیوں میں پکا لیا،آخر سزا اجتماعی کیو ں دی گئی؟امام ابن حجررحمۃ اللہ نے

الفتح میں فرماتے ہیں:''اورامام بخاری دیگیں الثانیے کو ایک مالی سزا سمجھتے تھے کیونکہ اس مال (پر)صرف ذبح کرنے والوں کا حق نہیں تھا(بلکہ بقیہ مسلمانوں کا بھی تھا)مگر جب ان کی ہوس اس سے جڑ گئی تو پھر سزا ان کو ملی ''۔
(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة،ص٢٥)

''وأيضاً يرد على الايراد المتقدم بعموم قول اللّٰہ تعالى﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لاتصبين الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّة وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾وقوله﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾۔و الشريعة جاءت بمثل هذه العقوبات لمثل تلك الحالات من الجرائم ،لأن هذه الجرائم التى حمل الشارع عقوبتها غير الجناة هى معاص تعتبر جماعية بامكان الجماعة اذا علموا أنهم سيعاقبون بها أن يجبروا الجانى على أن يكف عن ذلک ،لذا جاء ت الشريعة بعقاب الجماعة من أجل الفرد،حثاً للجماعة وتحريضاً لهم على أن يأخذوا على يد الجانى قبل أن يفعل ذلک والله أعلم''

''اسی طرح مذکورہ بالا شبہ کا ردّ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عمومیت سے بھی ہوتا ہے کہ:''اور اس فتنہ سے بچ جاؤ جو صرف انہی لوگوں کے لیے مخصوص نہ ہوگا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والاہے''۔(الانفال)اوراس کا یہ فرمان کہ:''اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کرلیتے ہیں تو وہاں کے عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں بدکرداریاں کرنے لگتے ہیں پھر اسی بستی پر عذاب کی بات صادق آجاتی ہے تو ہم اسے برباد کردیتے ہیں''۔(الاسراء)شریعت نے جرائم کی مذکورہ بالا حالتوں کی یہ سزائیں رکھی ہیں اس لیے کہ شریعت نے جرائم کی سزا ان کے غیر مرتکب افراد کے لیے رکھی ہیں کیونکہ یہ اجتماعی معصیتیں شمار کی جاتیں ہیں کیونکہ یہ جماعتیں اگر جان لیتیں کہ انہیں بھی اس کی سزا ملے گی تو وہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کو اس فعل سے باز رہنے پر مجبور کرتیں۔ اسی لیے شریعت نے فرد کی سزا جماعت کودی تاکہ جماعت کو مجرم کے فعل سے پہلے اس کا ہاتھ پکڑنے پر ابھاراجائے۔ واللہ اعلم''۔
(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة،ص٢٥)

اور یہ بات رسول اللہﷺکے عمل سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ آپﷺنے مجرم قبیلے کے حلیف قبیلے کے فرد کو بھی مجرم تصور کیا تھا۔ اس کی مزید تائید عمران ابن حصین سے مروی روایت ہے:

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَتْ ثَقِيفُ حُلَفَاءَ لِبَنِى عُقَيْلٍ فَأَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِى عُقَيْلٍ وَأَصَابُوا مَعَهُ الْعَضْبَاءَ فَأَتَى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِى الْوَثَاقِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ بِمَ أَخَذْتَنِى وَبِمَ أَخَذْتَ سَابِقَةَ الْحَاجِّ فَقَالَ إِعْظَامًا لِذَلِكَ أَخَذْتُكَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكَ ثَقِيفَ ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَامُحَمَّدُ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَقِيقًا فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّى مُسْلِمٌ قَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّى جَائِعٌ فَأَطْعِمْنِى وَظَمْآنُ فَأَسْقِنِى قَالَ هَذِهِ حَاجَتُكَ فَفُدِىَ بِالرَّجُلَيْنِ))

''حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ (طائف کا قبیلہ)ثقیف ،بنو عقیل کے حلیف (اتحادی)تھے۔ ثقیف نے رسول اللہ ﷺکے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو قید کرلیاتو اصحاب رسول اللہ ﷺنے بنی عقیل کے ایک آدمی قید کرلیا اور اس کے ساتھ عضباء اونٹی کو بھی گرفتار کرلیا۔رسول اللہ ﷺاس قید کئے گئے شخص کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ وہ بندھا ہوا تھا۔اس نے کہا اے محمد !آپ ﷺاس کے پاس آئے اور اس سے کہا کیا بات ہے؟تو اس نے عرض کیا آپﷺنے مجھے کیوں پکڑا ہے اور کس وجہ سے حاجیوں پر سبقت لے جانے والی (اونٹنی)کو گرفتار کیا ہے؟تو آپ ﷺنے فرمایا :''اس بڑے قصور کی وجہ سے میں نے تمہیں تمہارے حلیف قبیلہ ثقیف کے بدلے گرفتار کیا ہے۔پھرآپﷺاس سے جدا ہونے لگے تو اس نے آپ ﷺکو اے محمد !اے محمد ! کہہ کرپکارا اور رسول اللہ ﷺمہربان اور نرم دل تھے،لہٰذا آپ اس کی طرف لوٹے تو پھر فرمایا کہ کیا بات ہے تو اس نے کہا :'میں مسلمان ہوں''۔آپﷺنے فرمایا :''کاش !تم یہ بات اس وقت کہتے جب تم اپنے معاملے کے مکمل طور پر مالک تھے ،اگر ایسا ہوتا تو تم پوری کامیابی حاصل کرلیتے''۔یہ کہہ کر آپﷺپھر پلٹنے لگے تو اس نے آپ ﷺکو اے محمد ! اے محمد!کہہ کر پکارا۔آپ ﷺاس کے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا بات ہے؟تو اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھلائیے اور میں پیاسا ہوں مجھے پلائیے ۔تو آپﷺنے فرمایا :''یہ تمہاری حاجت و ضرورت ہے یعنی اسے کھلایا اور پلایا ۔پھر

اسے ان دو آدمیوں کا فدیہ بنایا گیا (جنہیں ثقیف نے گرفتار کیا تھا)‘‘۔
(صحیح مسلم،ج۸،ص۴۲۶،رقم الحدیث:۳۰۹۹)
درج بالا حدیث میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں :
(۱) کفار کے ایک قبیلے نے دومسلمانوں کو قید کرلیا۔
(۲) صحابہ نے بدلے میں اغوا کرنے والے قبیلے کے حلیف کے ایک فرد کو قید کرلیا۔
(۳) اللہ کے رسول ﷺفرمایا ’’میں نے تمہیں تمہارے قبیلے کے حلیف (اتحادی) کے جرم کی بنا پرقید کیا ہے‘‘۔
(۴) اور یہ بات تو واضح ہے ہی کہ وہ کافر مرد کسی جرم کا قصوروار نہیں تھا۔
(۵) اور نہ ہی جرم والا عمل اس کے قبیلے (بنو عقیل) کا تھا جس سے اس کا تعلق تھا۔
(٦) جرم بنو ثقیف کا تھاجو کہ حلیف(اتحادی) تھے اُس قبیلے کے جس سے اِس شخص کا تعلق تھا ۔
شیخ یوسف العیری رحمۃ اللہ اس حدیث کی پر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
’’اور رسول اللہ ﷺ یہ عمل کرکے کوئی زیادتی نہیں کررہے تھے کیونکہ جنگ کی صورت میں ایسے افعال ضرورت بن جاتے ہیں تاکہ اہلِ اسلام کی حفاظت ممکن بنائی جاسکے ،اور یہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کی جاسکے بجز اس کے کہ ایسے افعال کئے جائیں‘‘۔
(التبیان فی استھداف النساء والصبیان،ص۱۰۵)
شیخ علی الخذیر فک اللہ اسرہ اس حدیث کے نتائج کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:
’’ہم (اور علماء)اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر مجرمین کا تعلق ایک گروہ سے ہویا طائفہ ممتنعہ سے یا کوئی ایسا ملک ہو جو کہ ملوث ہو ں (مسلمانوں سے جنگ کرنے میں)تو یہ جائز ہے کہ ان میں سے جو مجرم نہ ہو ان کوبھی سزا دی جاسکے ان جرائم کی بناء پر جو ان کے دیگر لوگوں نے کیا ہو،اور ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ کام نہ ہوتا تو جہاد ناکا م ہوجاتا اور دشمنانِ دین کو غلبہ حاصل ہوجاتا‘‘۔
(التبیان فی استھداف النساء والصبیان،ص۱۰۵)
یاد رہے کہ ایسا فعل صرف کافروں کے ساتھ کرنا جائز ہے۔باقی رہے کہ وہ ممالک اسلامیہ جہاں بدقسمتی سے طواغیت کی حکمرانی ہے جوکہ کفار کے اتحادی ہی نہیں بلکہ خطِ اوّل کے سپاہی بنے ہوئے ہیں لہذاان طواغیت کے لشکروں اور ان سے متعلقہ معاونین کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے مگر عام مسلمان ایسے فعل سے مستثنیٰ ہوں گے سوائے اس کے جس کے بارے میں ثابت ہوجائے کہ وہ بھی انہی طواغیت کے انصار واعوان میں سے ہے ۔واللہ اعلم

پیرس حملوں کی بابت::::
شبہ::: کفار کو دعوت پہنچائے بغیر ان پر عام حملہ کرنا
کچھ لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتاہے کہ
’’ٹھیک ہے کہ کفار کی جان ومال اور عزت کی کوئی حرمت نہیں لیکن ان پر عام حملہ کرنے اور ان پر تباہی مسلط کرنے سے پہلے ان پر اسلام کی دعوت کا پہنچانا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر ایسے افعال کی شریعت میں اجازت نہیں‘‘
اس کی دلیل میں وہ احادیث پیش کی جاتی ہیں جس میں رسول اللہﷺنے صحابہ کرام کو کفار پر چڑھائی کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت پیش کرنے کا حکم دیا اور اس کے بغیر حملہ کرنے کی ممانعت کی۔جیساکہ صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں آتاہے کہ:
((وَاِذَا لَقِيتَ عَدُوَّکَ مِنْ الْمُشْرِکِينَ فَادْعُهُمْ اِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوکَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَکُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ أَجَابُوکَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَکُفَّ عَنْهُمْ))
’’جب تمہار اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ ہوجائے تو ان کو تین باتوں کی دعوت دینا ،وہ ان میں سے جس کو بھی قبول کرلیں تو ان سے جنگ سے رک جانا ۔اوّل ان کو اسلام کی دعوت دو ،اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ

کرنا ‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،۱۵۰،رقم الحدیث:۳۲۶۱)

پھر رسول اللہ ﷺنے دوسری صورت یہ بتائی کہ ان کو جزیہ کی دعوت دینا اور اگر وہ بھی قبل نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرنا۔

جواب:اس ضمن میں سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنے کے حوالے سے پہلی صورت یہ ہے کہ ’’اقدامی جہاد‘‘ہو یعنی مسلمان کفار پر حملہ آور ہوں تو اس صورت میں کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنا واجب ہے جبکہ ان تک یہ دعوت کسی بھی ذریعے سے نہ پہنچی ہواور اگر یہ دعوت پہنچ گئی ہوتو پھر یہ دعوت دینا مستحب ہے،یعنی پسندیدہ ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

’’اگر ان کفارتک اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہے تو امیر الحرب کے لئے ان سے لڑنا مناسب نہیں ہے اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچی ہے تو پھر امیر الحرب کے لئے مستحب ہے کہ لڑائی سے پہلے ان کو دعوتِ اسلام دے ورنہ جزیہ کی ادائیگی کا کہے ۔تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کردیا تو نہ دیت ہے اور نہ قصاص ‘‘ ۔

(رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ،ص:۲۹۳)

جیساکہ یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ’’اقدامی جہاد ‘‘میں کفار تک اگردعوت پہنچی چکی ہوتو ان کو دوبارہ دعوت دینا گوکہ مستحب ہے لیکن اگر اس دعوت دینے میں جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتو پھر دعوت نہیں دی جائے گی ۔چناچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ’’در مختار ‘‘سمیت دیگر کتابوں میں یہ مسئلہ واضح طور پر لکھا ہے کہ :

’’(فان حاصرناهم دعوناهم الى الاسلام فان أسلموا)فبها (والا فالى الجزية)لو محلا لها كما سيجئى (فان قبلوا ذلک فلهم ما لنا)من الانصاف (وعليهم ما علينا)من الانتصاف.....(وندعو ندبا من بلغته الا اذا تضمن ذلک ضررا)ولو بغلبة الظن،كأن يستعدون أو يتحصنون فلا يفعل فتح(والا)يقبلوا الجزية(نستعين باللّٰه ونحاربهم بنصب المجانيق وحرقهم وغرقهم وقطع أشجارهم)‘‘۔

’’اگر ہم نے کفار کا محاصر کرلیا ہوتو ہم ان کو پہلے اسلام کی طرف بلائیں گے۔اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو بہت اچھا ورنہ پھر جزیہ دینے کی طرف بلائیں گے ۔اگر انہوں نے اس کو قبول کرلیا تو پھر ہم اور وہ قانون اسلام اور قانون انصاف کے سامنے یکساں ہوں گے........اورجن کفار تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان سے قبل از دعوت لڑنا جائز نہیں ہے لیکن جن کفار تک دعوت پہنچی ہو تو ان کو پھر دعوت دینا مستحب ہے۔ ہاں اگر اس دعوت میں جنگی حکمت عملی کے تحت ہمیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو توپھر دعوت نہیں دی جائے گی ۔اگر کفار نے جزیہ قبول کرنے سے بھی انکار کردیا تو پھر ہم اللہ کا نام لے کر ان سے لڑیں گے ۔منجنیق سے ان پر گولہ باری کریں گے،آگ سے انہیں جلائیں گے یا پانی میں ڈبوئیں گے اور ضرورت پڑنے پر ان کے باغات اور کھیتوں کو بھی تباہ کردیں گے‘‘۔

(در المختار،ج۴،ص۳۰۵)

اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب ’’ہدایہ ‘‘میں یہ بات مذکور ہے کہ:

’’(وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتِلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ الَى الْاِسْلَامِ الَّا أَنْ يَدْعُوهُ)لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِى وَصِيَّةِ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ(فَادْعُهُمْ الَى شَهَادَةِ أَنْ لَا الَہَ الَّا اللَّہُ)وَلِأَ نَّهُمْ بِالدَّعْوَةِ يَعْلَمُونَ أَنَّا نُقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّينِ لَا عَلَى سَلْبِ الْاَ مْوَالِ وَسَبْىِ الذَّرَارِىِّ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيبُونَ فَنُكْفَى مُؤْنَةُ الْقِتَالِ،وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ أَثِمَ لِلنَّهْىِ،وَلَا غَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّينُ أَوْ الْاِحْرَازُ بِالدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ(وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ)مُبَالَغَةً فِى الْاِنْذَارِ ،وَلَا يَجِبُ ذَلِکَ لِأَ نَّہُ صَحَّ (أَنَّ النَّبِىَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَغَارَ عَلَى بَنِى الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ)‘‘۔

”جس شخص کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو دعوت دینے سے پہلے اس سے لڑنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺاپنے فوجی کمانڈروں کو یہ وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ”ان کفار کو پہلے کلمہ ٔ شہادت کی دعوت دیا کرو“اور اگر ان کو دعوت پہنچی ہے تو پھر دعوت دینا مستحب ہے کہ دعوت دینے میں خوب مبالغہ ہوجائے لیکن یہ دعوت واجب نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺکی یہ صحیح حدیث ہے کہ آپ نے بنی مصطلق پر اس طرح چھاپہ مارکر ہلہ بول دیاتھا کہ وہ کو حکم دیا تھا کہ صبح سویرے علاقہ ”ابنی“کے لوگوں پرلوگ بالکل بے خبر تھے اور اسی طرح آپ نے اسامہ بن زید چھاپہ مار کاروائی کرو اور پھر علاقہ میں آگ لگادو۔(ظاہرہے)کہ چھاپہ مارکر غارتگری کی کاروائی دعوت کے ساتھ نہیں ہوسکتی ہے“۔

(العناية شرح الهداية،ج۷،ص۴۴۳)

یہ بات بھی واضح رہے کہ کفار تک دعوت اسلام پہنچنے کا مطلب کیا ہے اور اس کا معیار کیا ہے۔فقہاء نے اس کو یوں واضح کیاہے:

”بُلُوغُ الدَّعْوَةِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا بِأَنْ اسْتَفَاضَ شَرْقًا وَغَرْبًا أَنَّهُمْ الَى مَاذَا يَدْعُونَ وَعَلَى مَاذَا يُقَاتِلُونَ فَأُقِيمَ ظُهُورُهَا مَقَامَهَا انْتَهَى “

”دعوت پہنچنا دو قسم پر ہے ،حقیقتاً یا حکماً، اور حکماً اس طرح ہوتا ہے کہ مغرب و مشرق میں مشہوراور عام ہوجائے کہ یہ مسلمان کس چیز کی طرف بلاتے ہیں اور کس چیز پر ”لڑتے “ہیں ۔چنانچہ اس ظاہری شہرت کو حقیقت کا قائم مقام سمجھا جائے گا“۔

(فتح القدير،ج:۱۲ص:۳۹۴)

اسی لئے امام ابن حجررحمۃ اللہ اور امام مالک رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں :

”قَالَ مَالِک:مَنْ قَرُبَتْ دَارُهُ قُوتِلَ بِغَيْرِ دَعْوَة لِاشْتِهَارِ الْإِسْلَام وَمَنْ بَعُدَتْ دَارُهُ فَالدَّعْوَةُ أَقْطَعُ لِلشَّکِّ“

”جن کفار کے گھر ہمارے قریب ہو تو ان کو ”دعوت اسلام“دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ بوجہ پڑوسی کے دعوت الی الاسلام کو جانتے ہیں (مگر مانتے نہیں)۔اس لئے ان کے ساتھ لڑائی لڑی جائے گی اور ان کی غفلت کا انتظار نہیں کیاجائے گا ،اور جن کے گھر ہم سے دور ہوں تو ان کو دعوت دینا ضروری ہے تاکہ شک و شبہ دور ہوجائے“۔

(فتح الباری،ج۹،ص۱۰۹)

اسی لئے بعض فقہاء کے نزدیک اب کافروں کو”اقدامی جہاد “سے پہلے دین اسلام کی طرف دعوت دینا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

” میں آج کسی مشرک کو ایسا نہیں پاتا کہ اس کو کسی نہ کسی طریقے سے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ ہاں ممکن ہے کہ مملکت ترکیہ کے پیچھے کچھ مشرک قومیں ہو ں یا خزر (چیچنیا)کے پیچھے کچھ ایسے لوگ ہوں جن تک دعوت نہ پہنچی ہو تو ان لوگوں سے اگر لڑائی لڑنی ہوتو دعوت اسلام سے پہلے لڑائی نہیں ہونی چاہیے“۔

(رحمۃ الامت فی اختلاف الائمۃ،ص:۲۹۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ ایک حدیث کی شرح میں”دعوت“ کے حوالے سے سلف کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

”و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا دَعْوَةَ الْيَوْمَ و قَالَ أَحْمَدُ لَا أَعْرِفُ الْيَوْمَ أَحَدًا يُدْعَى “

” اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ آج دعوت کی ضرورت نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آج کل کسی(کافر)کو دعوت دینا ضروری ہے“۔

(سنن الترمذی،ج:۶،ص:۳۷،رقم الحدیث:۱۴۶۸)

یہ ہیں وہ احکامات جو کہ ”اقدامی جہاد “کی صورت میں دعوت الی الاسلام کے لئے شریعت نے واضح کئے ۔ چنانچہ غور کرنے کی بات ہے جب ”اقدامی جہاد “کے دوران مسلمانوں کے کسی نقصان کے اندیشے یا جنگی حکمت عملی کی بناء پر کفار کو دوبار ہ دعوت دینے سے منع کیا گیا ہو تو پھر کیسے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوجائے گا کہ وہ ”دفاعی جہاد“کے دوران کفار کو دعوت دیں جبکہ ایک طرف کفار مسلمانوں کا قتل عام کررہے ہوں اور مسلمانوں کی املاک برباد کررہے ہوں اور دوسری طرف فقہاء کرام اس بات کی سراحت کرچکے ہوں کہ اب کفار کو دعوت دینا

ضروری نہیں ہے۔اگر کوئی دعوت دیتا ہے تو مستحب ہے لیکن نہ دینے والے پر کوئی گناہ نہیں۔
لیکن اس کے باوجود کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایسے کفار موجود ہیں جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں بھی ،جوکہ خارج از امکان ہے ،اگر کوئی کافر قتل ہوجائے تو پھر بھی حملہ آور مسلمان پر کوئی قصاص و کفارہ نہیں ۔جیساکہ ہم شروع میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول پڑھ آئے کہ:
''تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کردیا تو نہ دیت ہے اور نہ قصاص '' ۔
لیکن جب کفارمسلمانوں پر حملہ آور ہوجائیں،تو فقہاء کرام کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ:
''وَاِنْ هَجَمُوْاعَلَيْنَا سَقَطَتِ الدَّعْوَةُ''
'' اگر کفار نے ہم پر چڑھائی کر کے ھلہ بول دیا تو دعوت ساقط ہوجائے گی''۔
(الکوکب الدری شرح ترمذی صفحہ۴۱۳۔از مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ)
امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:
''قَالَ الشَّافِعِىُّ لَا يُقَاتَلُ الْعَدُوُّ حَتَّى يُدْعَوْا اِلَّا أَنْ يَعْجَلُوا عَنْ ذَلِکَ فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَقَدْ بَلَغَتْهُمْ الدَّعْوَةُ''
''امام شافعی فرماتے ہیں کہ دشمن کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ لڑی جائے مگر یہ کہ وہ خود ابتداء کردیں اوراس صورت میں اگر انہیں دعوت نہ دی گئی توحقیقت یہ ہے کہ انہیں پہلے ہی دعوت اسلام پہنچ چکی ہے''۔
(سنن الترمذی،ج:۶،ص:۳۷،رقم الحدیث:۱۴۶۸)

پیرس حملوں کی بابت:::::
شبہ:::: اگردار الحرب میں کفارکی عورتیں اور بچے بے قصو ربھی مارے جائیں تواس کاشرعی حکم کچھ لوگوں کا یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شریعت میں کفار کی عورتوں اور بچوں بے قصور مارنے کی ممانعت تو بحر حال وارد ہوئی ہے لہذا دار الحرب میں عام حملہ کرنے کی صورت میں بعض اوقات کفار کی عورتیںاور بچے بے قصور مارے جاتے ہیں چنانچہ ایسی کسی بھی صورت میں جب کفار کی عورتیں اور بچے مارے جائیں تو اس کا وبال کس پر ہوگا اور ایسا کرنے والا تو بحر حال قابل گرفت ہے؟

جواب:
امام سرخسی رحمۃ اللہ وضاحت کرتے ہیں:
''وَمَنْ قَتَلَ أَحَدًا مِنْ هَؤُلَاءِ قَبْلَ وُجُودِ الْقِتَالِ مِنْهُ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ وَلَا دِيَةَ .لِأَنَّ وُجُوبَهُمَا بِاعْتِبَارِ الْعِصْمَةِ وَالتَّقَوُّمِ فِي الْمَحَلِّ،وَذَلِکَ بِالدِّيْنِ أَوْ بِالدَّارِ،وَلَمْ يُوجَدْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا،وَاِنَّمَا حَرُمَ قَتْلُهُمْ لِتَوْفِيرِ الْمَنْفَعَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ،أَوْ لِانْعِدَامِ الْعِلَّةِ الْمُوجِبَةِ لِلْقَتْلِ ،وَهِيَ الْمُحَارَبَةُ،لَا لِوُجُودِ عَاصِمٍ أَوْ مُقَوِّمٍ فِي نَفْسِهِ،فَلِهَذَا لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِلِ الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ،وَاِلَى هَذَا أَشَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثٍ بِقَوْلِهِ((هُمْ مِنْهُمْ)) يَعْنِي أَنَّ ذَرَارِيَّ الْمُشْرِكِينَ مِنْهُمْ ، فِي أَنَّهُ لَا عِصْمَةَ لَهُمْ وَلَا قِيمَةَ لِذِمَّتِهِمْ .''
''(کافر)عورتیں ، بچے ،پاگل اور بوڑھے جو دارالحرب کے مکین ہیں ان کو نہیں مارنا چاہئے اور جو کوئی اِن میں سے کسی کو مارے بغیر اس کے کہ وہ آپ سے لڑے ہوں تواس کے باوجود اس پر کفارہ نہیں آتا اور نہ ہی دیت(یہ تو دور کی بات ہے کہ اسے سزا ملے)اور یہ اس لئے کہ کفار ہ اور دیت لازم اسی چیز پر آتی ہے جس کی حرمت اور حفاظت فی نفسہہ ہو اور یہ حرمت اور حفاظت صرف اسلام سے اور دارالاسلام سے ملتی ہے ۔اور اس مسئلہ میں دونوں میں سے کوئی چیز بھی موجود نہیں ہے اس کے باوجود بھی ان عورتوں اور بچوں کو مارنا فقط اس لئے منع ہے کہ ان(کوغلام اور باندیاں بنانے)سے ممکنہ فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ بنیاد موجودنہیں جس سے ان کا قتل لازمی آتا ہے یعنی جنگ ،اوراس لئے نہیں کہ ان کی کوئی عصمت اور مرتبہ فی نفسہ موجود ہو۔ اسی لئے ان کے قتل کرنے پر کفارہ یا دیت واجب نہیں ہوتی۔چناچہ اسی بات کی طرف اللہ کے رسول ﷺنے اشارہ کیا جب انہوں نے کہا''یہ انہی میں سے ہیں''مطلب یہ کہ مشرکین کی عورتیں اور بچے یقینا مشرکین میں سے ہی ہیں ۔ اس کا مطلب یہ

ہے کہ ان کی کوئی حرمت نہیں اور نہ ہی کوئی مرتبہ ہے جس کو تاتارنہ کیا جاسکے“۔

امام کاسانی الحنفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

”وَلَوْ قُتِلَ وَاحِدٌ مِمَّنْ ذَكَرنَا أَنَّهُ لَا يَحِلُّ قَتْلُهُ فَلَا شَيْئَ فِيهِ مِنْ دِيَةٍ وَلَا كَفَّارَةٍ ،الَّا التَّوْبَةُ وَالِاسْتِغْفَارُ ؛ لأَ نَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ الَّا بِالْأَ مَانِ“

”اگر ان میں سے کوئی بھی جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی عورتوں ،بچوں اور بوڑھو ں میں سے)جن کو قتل کرنا جائز نہیں ۔لیکن اگر ان میں سے کسی کو قتل کردیا جائے تو دیت اور کفارہ لازم نہیں آتاسوائے توبہ واستغفار کے اور یہ اس لئے کہ کافر کے خون کی کوئی قیمت نہیں سوائے عہد کے“۔

(بدائع الصنائع،ج۱۵،ص۲۸۴)

امام ابن نجم فرماتے ہیں:

”لَوْ قَتَلَ مَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ قَتْلُهُ مِمَّنْ ذَكَرْنَا فَلَا شَيْئَ فِيهِ مِنْ دِيَةٍ وَلَا كَفَّارَةٍ الَّا التَّوْبَةُ، وَالِاسْتِغْفَارُ ؛ لِأَنَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ الَّا بِالْأَ مَانِ“

”اور اگر کوئی قتل کردے کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا ممنوع ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (جیسے عورتیں اور بچے)تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی جیساکہ دیت یا کفارہ،بس یہ کہ (اس پر لازم ہے کہ)وہ توبہ اور اللہ سے معافی مانگے۔اور یہ اس لئے کہ کافر کے خون کی کوئی قیمت نہیں سوائے عہد کے جو موجود نہیں ۔“

(البحرالرائق شرح کنز الدقائق،ج۱۳،۳۱۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”وللمسلمين أن يشنوا عليهم الغارة ليلا ونهارا فان أصابوا من النساء والولدان أحدا لم يكن فيه عقل ولا قود ولا كفارة“

” اورمسلمانوں کے لئے اس کی اجازت ہے کہ کفار پر رات کو اور دن کو حملہ کیا جائے اور اس کے نتیجے میں(بلاارادہ)عورتیں اور بچے مارے جائیں اس(کام کے کرنے والے)پر کوئی دیت اور کفارہ اورمعاوضہ نہیں“۔

(الأم،ج۴،ص۴۵۲)

یہاں بھی ایک بات نوٹ کرنے کی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ اس بات کی وضاحت کررہے ہیں کہ کفارپر حملے کے دوران ان کی عورتوں اور بچوں کے (بلاارادہ)مارے جانے میں کوئی حرج نہیں چاہے وہ وقت رات کا نہ ہو بلکہ یہ کام دن کی روشنی میں ہو۔

کفار کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کا مال غنیمت ہیں:

جیسا کہ ہم سمجھ چکے ہیں کہ کفار کے بچوں اور عورتوں کی حرمت مطلق(عام)نہیں ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ مسلمانوں کی منفعت یعنی ان کا مال غنیمت ہیں۔حافظ ابن ِ حجررحمۃ اللہ اما م طبرانی رحمۃ اللہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”وَرَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَط مِنْ حَدِيث أَبِي سَعِيد قَالَ”نَهَى رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان وَقَالَ:”هُمَا لِمَنْ غَلَبَ “

”ابو سعید سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایاہے“۔اما م طبرانی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”یہ اس لئے کہ وہ فاتح (مجاہدین) کا مال ہے۔“

(فتح الباری،ج۹،ص۲۲۸،رقم الحدیث:۲۷۹۲)

امام رملی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”اور اگر وہ (دارالحرب کے باشندے)مسلمانوں کو یا ذمی کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں تو ان پر حملہ نہیں کرنا چاہئے الا یہ کہ اس کی ضرورت ہو ۔یہ اس لئے کہ اہل ِ ایمان اور اہل الذمہ کی حرمت کا احترام واجب ہے۔(اس کے برعکس)کافر کے عورتوں اور بچوں کے مارنے سے متعلق یہ ممانعت مختلف ہے کیونکہ یہ معاملہ خصوصاًغنیمت

کے حق کو محفوظ کرنے کا ہے (یعنی مجاہدین ان عورتو ں اور بچوں کے مالک بنیں گے)‘‘۔
(النہایہ المحتاج،ج۸،ص۶۵)
امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:
’’اور جیسا کہ دارالحرب میں عورتو ں اور بچوں کو قتل کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ ان کے پاس نہ ایما ن ہے اور نہ ہی امان ہے ‘‘اور ان کے قتل کی ممانعت کی وجہ یہی ہے جو ممکنہ فائدہ مسلمانوں کو حاصل ہوسکتا ہے ان پر قبضہ کرنے یا ان کو مسلمانو ں کاغلام بنانے سے‘‘۔
(المغنی،ج۸،ص۶۷)
اما م سرخسی رحمۃ اللہ اس بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں:
’’وَإِنَّمَا حَرُمَ قَتْلُهُمْ لِتَوْفِيرِ الْمَنْفَعَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ‘‘
’’ عورتوں اور بچوں کو مارنا فقط اس لئے منع ہے کہ ان (کوغلام اور باندیاں بنانے)سے مسلمانوں کو ممکنہ فائدہ پہنچ سکتا ہے‘‘۔
(شرح السیر الکبیر،ج۱،ص۴۴۹)
امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:
’’وانهن والولدان متخولون فيكونون قوة لاهل دين اللّٰہ عزوجل‘‘
’’اور اسی طرح عورتوں کا معاملہ ہے کیونکہ ان میں جنگ کی طاقت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ وہ (عورتیں)اور بچے غنیمت ہیں اور جو کہ ایک اضافی قوت ہوسکتی ہے اللہ بزرگ وبرتر کے دین کے ماننے والوں کے لئے۔‘‘
(الرسالۃ:۲۹۹)
مشہور سعودی عالم دین شیخ صالح العثیمن رحمۃ اللہ متفق ہیں اس بات سے جب وہ کہتے ہیں :
’’اور جہاں تک تعلق ہے اللہ کے رسول ﷺکی ممانعت کاجوکہ کافر عورتوں اور بچوں سے متعلق ہے.تو وہ کیا وجہ تھی جس کی بنیا دپر اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ؟وہ اس لئے کہ ان کو قید کیا جائے اور غلام بنایا جائے کیونکہ ا گر وہ مارے جائیں تو یہ مسلمانوں کے فائدے میں نقصان ہوگا‘‘ ۔
(کتاب الجھاد ،شرح بلوغ المرام)
کافروں کی عورتوں کے حوالے سے بس ایک بات ذہن میں رہے کہ ان کو مال غنیمت کے طور پر ،چاہیے وہ انفرادی ہویا امام کے تحت ہو،حاصل کرنے کے بعدان کو لونڈیاں بنانے یعنی ان سے تمتع(جنسی اختلاط)صرف وہ شخص ہی حاصل کرسکتاہے جوکہ اس کا مالک بن گیا ہو یا جس کو امام کی طرف سے مالک بنادیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص ان سے تمتع حاصل نہیں کرسکتا۔سوائے اس کے کہ مالک اس کو کسی دوسرے کے ہبہ کردے یا پھر کسی اور کے نکاح میں دیدے یاپھر اس کو آزاد کردے اور پھر وہ کسی سے نکاح کرلے۔اس حوالے سے مزیدتفصیلی احکامات ہیں جس کے لئے قدیم فقہاء کرام کی کتب و فتاویٰ کی طرف رجوع کیا جاسکتاہے۔

پیرس حملوں کی بابت:::::
شبہ:::: مسلمانوں کی موجودگی میں کافر وں کے علاقوں میں عام حملہ کرنے کا حکم::::
بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ یا اعتراض اٹھایا جاتاہے کہ کفار کے ممالک میں بڑی تعداد مسلمانوں کی رہتی ہے تو وہاں عام تباہی پھیلانے کی صورت میں اگر وہاں کفار کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی نشانہ بن جائیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟چناچہ وہ عام تباہی پھیلانے والے افعال اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کرناجائز نہیں اور اس کی دلیل میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:
﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾
’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے لئے موقوف جانور کو اس کی

قربان گاہ میں پہنچنے سے (روکا)،اور اگر ایسے (بہت سے)مسلمان مرد اور (بہت سی)مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں دکھ پہنچتا، (تو تمہیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا)تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو درد ناک سزا دیتے“۔
(سورۃ الفتح :۲۵)

جواب:

حربی کفا رکے علاقوں پر حملہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں کے وہاں وجود کے یقینی ہونے کے باوجود، امام الشافعی رحمۃ اللہ کی رائے ہے کہ جنگ میں مسلمانوں کے کفار کے ساتھ مختلط(گڈمڈ)ہونے کی وجہ سے اُن کے قتل ہونے کے پیشِ نظر، کفّار سے نہ لڑنا مستحسن امر تو ہے،مگر واجب نہیں۔آپ رحمۃ اللہ اس آیت کے بار ے میں فرماتے ہیں:

”وان کان فی الدار أی دار الحرب أساری من المسلمین،أو تجارٌ مستأمنون کرہت النصب علیهم بما یعم من التحریق،والتغریق وما أشبهه،غیر محرم له تحریماً بیناً “

”اگرچہ (دارالحرب)میں مسلمان قید میں ہویا پھرپرامن تاجر ہوں، تو ایسی صورت میں اُن (کفّار)پر ایسی چیز نصب کرنا کہ جس سے عام ہلاکتیں ہوں، جیسے آگ لگانا اور پانی کے ساتھ غرق کرنا اور اس سے مشابہ دوسرے کام ”مکروہ“ تو ہیں، مگر ایسے حرام نہیں کہ جن کی حرمت واضح ہو۔ “۔
(الآم۴ /۲۴۴)

امام ابوبکر الجصّاص رحمۃ اللہ نے الفتح کی اوپر ذکر کردہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا احْتِجَاجُ مِنْ یَحْتَجُّ بِقَوْلِهِ:﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ﴾ الْآیَةَ،فِی مَنْعِ رَمْیِ الْکُفَّارِ؛لِأَجْلِ مَنْ فِیهِمْ مِنْ الْمُسْلِمِینَ،فَإِنَا الْآیَةَ لَا دَلَالَةَ فِیهَا عَلَی مَوْضِعِ الْخِلَافِ وَذَلِکَ؛لِأَنَّ أَکْثَرَ مَا فِیهَا أَنَّ اللَّهَ کَفَّ الْمُسْلِمِینَ عَنْهُمْ ؛لِأَ نَّهُ کَانَ فِیهِمْ قَوْمٌ مُسْلِمُونَ لَمْ یَأْمَنْ أَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دَخَلُوا مَکَّةَ بِالسَّیْفِ أَنْ یُصِیبُوهُمْ وَذَلِکَ انَّمَا یَدُلُّ عَلَی ابَاحَةِ تَرْکِ رَمْیِهِمْ وَالْإِقْدَامِ عَلَیهِمْ،فَلَا دَلَالَةَ عَلَی حَظْرِ الْإِقْدَامِ عَلَیْهِمْ مَعَ الْعِلْمِ بِأَنَّ فِیهِمْ مُسْلِمِینَ ؛ لِأَ نَّهُ جَائِزٌ أَنْ یُبِیحَ الْکَفَّ عَنْهُمْ ؛ لِأَجْلِ الْمُسْلِمِینَ وَجَائِزٌ أَیْضًا ابَاحَةُ الْإِقْدَامِ عَلَی وَجْهِ التَّخْیِیرِ،فَإِذًا لَا دَلَالَةَ فِیهَا عَلَی حَظْرِ الْإِقْدَامِ “

”جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ارشاد :ولولارجال مؤمنون ونساء ۔۔۔الخکو اس بات کی دلیل بنانے کا تعلق ہے کہ جب کفار کے درمیان مسلمان پائے جاتے ہوں تو ان پر حملہ کرنا درست نہیں، تو یہ آیت ایسی کسی بات پر دلالت نہیں کرتی۔ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ مشرکینِ (مکہ) کے د رمیان مسلمان بھی پائے جاتے تھے اور اگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ و سلم مکہ میں تلوار کے زور پہ داخل ہوتے تو اس بات کاخدشہ تھا کہ وہ مسلمان بھی ان کے ہاتھوں مارے جاتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے صحابہ] کو ان پر حملہ نہیں کرنے دیا۔ یہ چیز صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر مشرکین کے درمیان مسلمان بھی موجود ہوں توان کو نشانہ بنانے اور حملہ کرنے سے رکنا ”مباح“ہے۔ یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی جس سے ایسی صورت میں حملہ کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہو........کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ مسلمانوں کو بچانے کی خاطر مشرکین پرحملے سے رکنامباح قرار دیا جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی معقول ہے کہ مسلمانوں کے لئے حملہ کرنا بھی مباح ہواور مسلمان دونوں میں سے جس راہ (میں شرعی مصلحت دیکھیں اسے)اختیار کر لیں۔بہرحال اس آیت میں ایسی کوئی دلیل نہیں موجود جس سے (ایسی صورت میں)مشرکین پر حملہ ممنوع قرار پائے“۔
(احکام القرآن،ج۸ص۴۲۴)

شیخ یوسف العیری شہید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”ثم ان من أجری عموم هذه الآیة ومنع الاضرار بدار الحرب لوجود مسلمین فیها،فان قوله هذا یقتضی منع الحرب ضد أیة

دولة حربية فی زماننا ، لأنہ الیوم لا توجد دولة من دول الکفر والحرب الا وفیھا عدد لیس بالقلیل من المسلمین ،والحروب فی هذا الزمن تضر کل السکان اما بشکل مباشر أو غیر مباشر ، فاذا منعنا الاضرار بھم بأیة طریقة فقد أفضی ذلکالی تعطیل الجهاد ضد دول الکفر والحرب بحجة وجود مسلمین فیھا ‘‘

’’پھرآج جوشخص،اس آیت کی عمومیت کو لاگو کرتے ہوئے دارالحرب میں مسلمانوں کے وجود کے سبب دارالحرب کو کوئی نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے، تو اس کا یہ قول ہمارے زمانے کے کسی بھی حربی ملک کے خلاف جنگ سے منع کرنے کا متقاضی ہے کیونکہ آج کوئی بھی ایسا کافر اور جنگجو ملک نہیں کہ جہاں تھوڑے بہت مسلمان نہ ہوں۔جبکہ آج کے زمانے کی جنگیں تو پوری آبادی کوبراہِ راست یا بالواسطہ طور پر نقصان پہنچاتی ہیں۔ لہٰذا اگر ہمیں حربی کفار کے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کوکسی بھی طریقے سے نقصان پہنچنے کا اندیشے کے بناءپرجہاد سے منع کیاجاتاہے ، تو اس سے مسلمانوں کے وجود کی حجت کے سبب تمام کفریہ اور حربی ملکوں کے خلاف جہاد معطل ہو کر رہ جائے گا(جس کی شریعت میں اجازت نہیں)‘‘۔

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۳۸)

امام سرخسی الحنفی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

’’وَلَا بَأْسَ بِإِرْسَالِ الْمَاءَ الَی مَدِینَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَإِحْرَاقِهِمْ بِالنَّارِ وَرَمْیِهِمْ بِالْمَنْجَنِیقِ وَإِنْ کَانَ فِیهِمْ أَطْفَالٌ أَوْ نَاسٌ مِنْ الْمُسْلِمِینَ أَسْرَی أَوْ تُجَّارٌ‘‘اہ ۔

’’اہلِ حرب کے شہر میں پانی چھوڑ نے، انہیں آگ سے جلا ڈالنے اور ان پر منجنیق کے گولے برسانے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ ان کے درمیان بچے اور مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی موجود ہوں۔‘‘

(المبسوط،ج۱۲ص۱۲۵)

امام ابن فرحون المالکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

’’مسألة:لم یختلف في رمي مراکبھم بالمنجنیق،وکذلک حصونھم،وان کان فیھم مسلمون‘‘اہ ۔

’’مسئلہ: کفار کی سواریوں اور قلعوں پر منجنیق کے گولے برسانے کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اگرچہ ان کے درمیان مسلمان ہی کیوں نہ موجود ہوں۔‘‘

(تبصرة الحکام:۲ / ۹۵)

امام مواق المالکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

’’ابن القاسم:لا بأس أن ترمی حصونھم بالمنجنیق،و یقطع عنھم المیرو الماء وان کان فیھم مسلمون أوذریة، وقالہ أشھب۔‘‘

’’ابن القاسم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: کفار کے قلعوں پر منجنیق سے گولہ باری کرنے اور ان کی خوراک اور پانی روک دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ ان کے درمیان مسلمان یا چھوٹے بچے ہی کیوں نہ موجود ہوں۔یہی بات اشہب ؒنے بھی فرمائی ہے‘‘۔

(التاج والاکلیل:۴/۵۴۴)

امام ابن حجرالہیثمی الشافعی رحمۃ اللہ "تحفةالمحتاج‘‘میں اسلاف کے اقوال، جوکہ بین القوسین ہیں، کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’وَذَلِکَ لِقَوْلِهِ تَعَالَی﴿وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ﴾؛وَلِأَنَّهُ (صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَصَرَ أَهْلَ الطَّائِفِ وَرَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِیقِ)رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ وَغَیْرُهُ نَعَمْ لَوْ تَحَصَّنَ حَرْبِیُّونَ بِمَحَلٍّ مِنْ حَرَمِ مَکَّةَ لَمْ یَجُزْ حِصَارُهُمْ وَلَا قِتَالُهُمْ بِمَا یَعُمُّ تَعْظِیمًا لِلْحَرَمِ،وَظَاهِرٌ أَنَّ مَحَلَّهُ حَیْثُ لَمْ یُضْطَرَّ لِذَلِکَ.(وَتَبْیِیتُهُمْ)أَیْ الْإِغَارَةَ عَلَیْهِمْ لَیْلًا .(فِی غَفْلَةٍ)لِلِاتِّبَاعِ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ وَقَالَ عَنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِیِّهِمْ لَمَّا سُئِلَ عَنْهُمْ هُوَ مِنْهُمْ وَبَحَثَ الزَّرْکَشِیُّ کَالْبُلْقِینِیِّ کَرَاهَتَهُ حَیْثُ لَا حَاجَةَ الَیْهِ ؛ لِأَنَّهُ لَا یُؤْمَنُ مِنْ قَتْلِ مُسْلِمٍ یَظُنُّ أَنَّهُ کَافِرٌ وَلَا یُقَاتَلُ مَنْ عَلِمْنَا أَنَّهُ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ بِهَذَا وَلَا بِغَیْرِهِ حَتَّی یَعْرِضَ عَلَیْهِ الْإِسْلَامَ وَإِلَّا ضَمِنَ خِلَافًا لِمَنْ قَالَ:انَّ عَرْضَهُ عَلَیْهِ مُسْتَحَبٌّ،أَمَّا مَنْ بَلَغَتْهُ فَلَهُ قَتْلُهُ وَلَوْ بِمَا یَعُمُّ وَسَبْیُ تَابِعِیهِ الَی أَنْ یُسْلِمَ وَیَلْتَزِمَ الْجِزْیَةَ انْ کَانَ مِنْ أَهْلِهَا .(وَإِنْ کَانَ فِیهِمْ مُسْلِمٌ) وَاحِدٌ فَأَکْثَرُ.(أَسِیرٌ أَوْ تَاجِرٌ جَازَ ذَلِکَ)أَیْ احْصَارُهُمْ وَقَتْلُهُمْ بِمَا یَعُمُّ وَتَبْیِیتُهُمْ فِی غَفْلَةٍ وَإِنْ عُلِمَ قَتْلُ الْمُسْلِمِ بِذَلِکَ لَکِنْ یَجِبُ تَوَقِّیهِ مَا أَمْکَنَ (عَلَی الْمَذْهَبِ) لِئَلَّا یُعَطِّلُوا الْجِهَادَ عَلَیْنَا بِحَبْسِ مُسْلِمٍ عِنْدَهُمْ نَعَمْ یُکْرَهُ ذَلِکَ حَیْثُ لَمْ یُضْطَرَّ الَیْهِ کَأَنْ لَمْ یَحْصُلْ الْفَتْحُ الَّا بِهِ تَحَرُّزًا مِنْ ایذَاءِ الْمُسْلِمِ

مَا أَمْكَنَ مِثْلُهُ فِي ذَلِكَ الذِّمِّيُّ وَلَا ضَمَانَ يُنَافِي قَتْلِهِ ؛ لِأَنَّ الْفَرْضَ أَنَّهُ لَمْ تُعْلَمْ عَيْنُهُ‘‘۔اہ ۔

’’ مگردرست رائے یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ خُذُوْھُمْ وَ احْصُرُوْھُمْ التوبة:۵﴾ ’’ان (مشرکین کو)پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو........‘‘{اور چونکہ}حَصَرَ اَھْلَ الطَّائِفِ وَ رَمَاھُمْ بِالْمَنْجَنِیْقِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر منجنیق سے گولہ باری کی{ مندرجہ بالا حدیث کو بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔}اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں{، ایک یا ایک سے زیادہ، }خواہ وہ قیدی ہوں یا تاجر، تو بھی ایسا کرنا جائز ہے{،یعنی ان کا محاصرہ کرنا، انہیں کسی ایسے ذریعے سے قتل کرنا جس سے عام ہلاکت پھیلے اور ان پر غفلت میں شب خون مارنا، خواہ ایسا کرتے ہوئے اس بات کا علم ہو کہ مسلمان بھی ضمناً مارا جائے گا۔البتہ جہاں تک ممکن ہو، کفار کو مارتے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔}اس مسئلے میں ہمارے مذہب کا مؤ قف یہی ہے{ تاکہ کفار کسی مسلمان کو اپنے قبضے میں لے کر جہاد کو معطل نہ کرسکیں۔ البتہ جب ہم یہ حربے استعمال کرنے پر مجبور نہ ہوں، مثلاً جب یہ سب کچھ کئے بغیر بھی فتح حاصل ہو سکتی ہو، تو ان کا استعمال مکروہ قرار پائے گا، تاکہ مسلمانوں کو حتی الامکان اذیت سے بچایا جا سکے۔ ایسا ہی حکم ذمی کے معاملے میں بھی ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ اس طرح مارے جانے والے مسلمان کے قتل پر کوئی معاوضہ (ضمان)نہیں ادا کیا جائے گااور یہی بات فرض کی جائے گی کہ مارنے والا اس مسلمان کی وہاں موجودگی سے غافل تھا۔‘‘

(تحفة المحتاج،ج۴۰ص۱۳)

امام عبادی الحنفی رحمة اللہ الجوهرة النيرة‘ میں اسلاف کے اقوال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

’’قولہ(و أرسلوا عليهم الماء وقطعوا شجرهم و أفسدوا زرعهم):لأن في ذلک كسر شوكتهم وتفريق جمعهم وقد صح أن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم حاصر بني النضير وأمر بقطع نخليهم وحاصر أهل الطائف و أمر بقطع كرومهم)۔قولہ (ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم أسير أو تاجر): يعنی بالنشاب والحجارة والمنجنيق؛لأن في الرمي دفع الضرر العام بالذب عن جماعة المسلمين وقتل التاجر والأسيرضررخاص‘‘اہ ۔

’’ مصنف کا یہ کہنا کہ} ان پر پانی چھوڑ دیا جائے اور ان کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور ان کی فصلیں برباد کر دی جائیں{ اس لئے درست ہے کہ یہ اقدامات ان کی قوت و شوکت توڑنے اور ان کی وحدت پارہ پارہ کرنے کا باعث ہیں۔ یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ }رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور ان کے کجھور کے درخت کاٹنے کاحکم دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اور ان کے باغات کاٹ ڈالنے کا حکم دیا{۔ اسی طرح مصنف کے قول کہ }اگر ان کے درمیان مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی پائے جاتے ہوں تب بھی ان پر اسلحہ برسانے میں کوئی حرج نہیں { سے مقصود ایسی حالت میں بھی تیر، پتھریا منجنیق کے گولے برسانے کو جائز قرار دینا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے ’ضررِ عام‘ دور ہوگا، یعنی مسلمانوں کا بحیثیت ِمجموعی تحفظ یقینی بنے گا۔ جب کہ تاجر یا قیدی کا مارا جانا ’ضررِ خاص‘ ہے‘‘۔

(الجوهرةالنيرة: ۲/۲۵۸)

فقہی اصول ہے کہ جب ’ضررِ عام‘ اور ’ضررِ خاص‘ میں سے کسی ایک کواختیار کئے بغیر چارہ نہ ہو تو ضررِخاص اختیار کیا جائے ،کیونکہ اس صورت میں کم لوگ ضرر اٹھائیں گے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے کہ مسلمانوں کی غالب آبادی والے ملکوں میں مسلمانوں کو نقصان پہنچنے سے غفلت کرنا جائز نہیں۔سو، اُنہیں بغیر کسی شدید ترین ضرورت کے نقصان پہنچانا، ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کو بغیر کسی شدید ضرورت کے نقصان پہنچانے کے (مسئلے کی)مانند ہے۔ رہا مسئلہ اس دارالحرب کاکہ جہاں کے تمام رہائشی جنگجو کفار میں سے ہوں اور وہاں قلیل تعداد مسلمانوں کے قتل ہونے کااندیشہ ہے، تو اس پراسلاف کی درج بالااقوال کا انطباق ہوگا۔ واللہ اعلم

حاصل کلام:

شیخ ناصر بن فہدفک اللہ اسرہ درج بالا تمام معاملات میں اسلاف کے طرز عمل کو یوں بیان کرتے ہیں:

’’تمام علماء مذکورہ بالا باتوں پر بحیثیت ِمجموعی متفق ہیں، البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف کا پایا جانا ممکن ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ضمنی اختلافات بھی ’’اقدامی جہاد‘‘ہی کی حد تک ہیں،لہٰذا اگر کوئی ایسا

(مختلف فیہ)فعل کر گزرنا (دفاعی)جہاد کی ضرورت بن جائے تو اس صورت میں اختلاف پر قائم رہنا مناسب نہیں ہو گا
۔“